رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

مطبوع

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی

توزیع
رئاسة إدارات البحوث العلمية
و الإفتاء و الدعوة و الإرشاد
مكتب الدعوة بالباكستان
وقف لله تعالى

اسلامک پبلشنگ ہاؤس
لاہور ○ پاکستان

ناشر : اسلامک پبلشنگ ہاؤس
۲- شیش محل روڈ لاہور

طابع :

طبع اوّل : مارچ ۱۹۷۹ء

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت : ۱۲/۵۰ روپے





عرضِ ناشر

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم کی شخصیت اپنی علمی و دینی خدمات کے اعتبار سے ماضی قریب کے اکابرِ دین میں نہایت نمایاں اور ممتاز رہی ہے۔ موصوف اُن اصحابِ عزیمت واستقامت میں سے تھے کہ جنہیں ناموافق ماحول میں بڑی سے بڑی مخالفت بھی ادائے فرض سے باز نہیں رکھتی۔ دنیوی اغراض ومفادات کا کوئی حسین تصوّر جن کے پائے ثبات میں ادنیٰ سی لغزش بھی پیدا نہیں کرتا۔ اور جنہیں بدوِ شعور ہی سے اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں کہ کلمۂ حق کی سربلندی، کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ کی اشاعت اور شرک وبدعت کے استیصال کے لیے سرگرم اور کوشاں رہیں۔ چنانچہ یہ امرِ واقع ہے کہ حمایتِ حق اور اتباعِ کتاب وسنّت کا وہ مقدّس مشن جسے مولانا نے اپنا نصب العین بنایا اُسے آگے بڑھانے کے لیے آپ دو چار برس نہیں بلکہ نصف صدی کے ایک طویل عرصہ تک کمال استقامت کے ساتھ مصروفِ جدوجہد رہے۔ اور بتوفیقہٖ تعالیٰ ہزاروں انسانوں کی زندگیوں کا رُخ اُس نصب العین کی طرف موڑنے میں کامیاب ہوگئے۔

مولانا مرحوم ایک شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ عالمِ دین، بے لوث رہنما اور جمعیت اہلحدیث کے گلِ سرسبد تھے۔ اپنی جماعتی وتنظیمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ تحریر و انشاء کے لیے بھی وقت نکال لیتے اور بعض اہمیت کے حامل موضوعات پر قلم اُٹھاتے۔ زندگی کے آخری ایّام میں متعدد موضوعات پر آپ کام کر رہے تھے۔ اُن میں سے ایک زیرِ تالیف مسوّدہ "رسولِ اکرم کی نماز" سے متعلق مباحث پر مشتمل تھا۔ جسے آپ کی وفات کے بعد محترم استاذ حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدیر "الاعتصام" لاہور نے ایڈٹ کیا اور بعد ازاں اسے کتابی صورت میں انجمن اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ نے شائع کیا۔ اب اُسی کتاب کو نئے اندازِ کتابت وطباعت کے ساتھ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس کتاب میں نماز کے احکام ومسائل بیان کرتے ہوئے مولانا نے فقہی مذاہب ومسالک سے قطع نظر براہِ راست

تعلق ادلۂ شرعیہ سے رکھا ہے اور موافق و مخالف دلائل کی جانچ پڑتال کے بعد جو رائے قائم ہوئی اُسے بغیر کسی جانبداری کے لکھ دیا ہے۔ جیسا کہ فقہائے محدثین کا طریق تھا۔ اور بلا شبہ نقد و تحقیق کا یہی معیار درست ہے۔

مولانا مرحوم کے قدردانوں کے لیے یہ بات موجبِ مسرت ہوگی کہ اب موصوف کی جملہ کتب حسین و جمیل صورت میں شائع ہوتی رہیں گی اور بآسانی دستیاب ہوسکیں گی ان شاء اللہ کیونکہ ان کی تمام کتابوں کے حقوقِ طباعت اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے حاصل کر لیے ہیں۔ اس کے لیے ہم مولانا مرحوم کے ورثاء خصوصاً پروفیسر مولانا محمد صاحب اور حکیم محمود صاحب کے تہِ دل سے شکر گزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب و سنت پر مبنی سلفی کتب کی طباعت و اشاعت کا جو کام ہم کر رہے ہیں وہ اسے قبول فرمائے اور اپنے بندوں کے لیے اصلاحِ افکار و عقائد کے باب میں انہیں زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنائے۔ آمین الٰہ الحق آمین۔

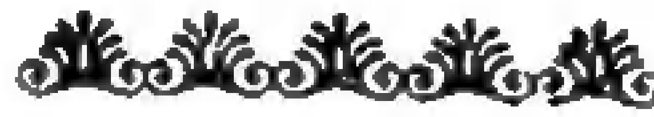
لاہور: ۲۰ مارچ ۱۹۷۹ء

منیر احمد

مینجنگ ڈائرکٹر

اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ لاہور

فہرستِ موضوعات



کتاب الطہارۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین والہ واصحابہ الطیبین الطاہرین۔

طہارت کا بیان

نماز کے لیے بدن کا پاک ہونا ضروری ہے۔ انسان کے جسم پر کئی طرح کی پلیدیاں اور گندگیاں چھا سکتی ہیں اس لیے نماز سے پہلے ان گندگیوں سے پاک ہونا ضروری ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ یہ پلیدی کئی طرح پر ہو سکتی ہے۔ ان پلیدیوں سے صفائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا ہے۔ جب بھی بدن یا کپڑا یا برتن پلید ہوا سے پانی سے دھو ڈالنا چاہیئے اور پانی بھی پاک ہونا چاہیئے۔ پلید پانی سے اگر کوئی چیز دھوئی جائے تو وہ پاک نہیں ہوگی۔

پانی پاک ہے

ندی نالوں میں جو پانی بہہ رہا ہو وہ پاک ہے۔ اس میں کوئی پلیدی گر جائے تو بھی پلید نہیں ہوگا۔ اسی طرح بڑے بڑے حوض اور جنگلوں میں بڑے بڑے جوہڑ یہ سب پاک ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ سفر میں کسی وقت پانی کم ہوتا ہے۔ وضو کیا جائے تو پیاس کا خطرہ ہوتا ہے کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرلیں۔ آپ نے فرمایا:

هُوَ الطَّهُورُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ (موطا، دارمی وغیرہ)

"اس کا پانی پاک ہے اس میں جو چیز مچھلی وغیرہ مر جائے وہ حلال ہے۔"

ابو سعید خدری رضہ فرماتے ہیں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کے ایک کنوئیں بضاعہ کے متعلق دریافت کیا کہ اس میں کئی پلید چیزیں اور گندگی گرتی رہتی ہے،

آپ نے فرمایا:

اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ (مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ)

"پانی پاک ہے اسے کوئی چیز پلید نہیں کر سکتی"

(فائدہ) اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حوض، بہنے والے پانی اور کنوئیں کا حکم جس میں زیادہ پانی ہو برابر ہے۔ یہ معمولی پلیدی گرنے سے پلید نہیں ہوتے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی فرماتے ہیں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کی بابت پوچھا جو مکہ اور مدینہ کے راستہ میں ہیں ان سے رات دن کتے، گدھے پانی پیتے ہیں آپ نے فرمایا جتنا انہوں نے پیا وہ ان کا حصہ ہے، جو باقی ہے وہ ہمارے لیے پاک ہے (ابن ماجہ)

ناپاک پانی

بعض حالات میں پانی پلید ہو جاتا ہے اس وقت اس سے غسل کرنا، وضو کرنا یا کوئی چیز دھونا درست نہیں ہوگا۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ وَلَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيْحِهٖ وَطَعْمِهٖ وَلَوْنِهٖ (ابن ماجہ) الماء طهور الا ان تغير ريحه او طعمه او لونه بنجاسة تحدث فيه[۱] سنن بیہقی)

پانی پاک ہے لیکن پلیدی گرنے کی وجہ سے اگر اس کی رنگت، بو یا مزہ بدل جائے تو وہ پلید ہو جائے گا"

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اگر پلیدی گرنے کی وجہ سے پانی کی ان صفات میں سے کوئی ایک بدل جائے تو پانی پلید ہو جائے گا۔ طہارت کے لیے ایسے پانی کا استعمال

---

[۱] اس حدیث کی سند بالاتفاق ضعیف ہے لیکن اس زیادت کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے۔ اس کی قبولیت پر اجماع تواتر ثابت ہے۔

درست نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے اگر پلیدی گرے سے بغیر رنگ، بو یا مزہ بدل جائے تو پانی پلید نہیں ہوگا۔ جس طرح سیلاب کے دنوں میں ندی نالوں کے پانی گدلے اور مٹیالے ہو جاتے ہیں یا بارش کے دنوں میں کنوؤں کے پانی سے بو آتی ہے یا مزہ خراب ہو جاتا ہے یہ پلید نہیں ہوگا۔ اگر جی چاہے تو اس کا استعمال درست ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے پانی میں پیشاب کرنے اور غسلِ جنابت کرنے سے منع فرمایا ہے، اس خطرہ کی وجہ سے کہ پانی کا رنگ، بُو اور مزہ بدل کر پانی پلید نہ ہو جائے۔

پانی کے متعلق بعض مسائل

پانی خود پاک ہے اور دوسری چیز کو پاک کرتا ہے۔ ہر پلید چیز کو پاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پانی خالص ہو۔ اگر کوئی پاک چیز پانی میں ملادی جائے تو پانی خالص نہیں رہے گا، یہ کسی چیز کو پاک نہیں کر سکتا گو خود پاک ہے جیسے شوربا، گلاب کا پانی اور مختلف قسم کے عرق۔ یہ چیزیں پتلی اور سیال تو ہیں، پاک بھی ہیں لیکن کپڑا وغیرہ دھونے کے کام نہیں آسکتیں نہ ان کے ساتھ دھونے سے پلید چیز پاک ہو سکتی ہے نہ ہی اس سے وضو درست ہے۔ اگر کسی پلید چیز کی پانی میں ملاوٹ ہو جائے اور اس کے رنگ، بُو اور مزے کو بدل دے تو پانی پلید ہو جائے گا نہ اس سے غسل درست ہے نہ وضو، نہ ہی کوئی پلید چیز اس کے ساتھ دھونے سے پاک ہوگی۔ اگر کنواں یا تالاب پلید ہو جائے تو اس سے اتنا پانی نکالنا چاہیئے کہ اس کا رنگ، بو اور مزہ درست ہو جائے۔ طہارت کے سلسلہ میں کنوئیں، تالاب وغیرہ کا ایک ہی حکم ہے۔

دریا، نہر وغیرہ میں جو پانی بہہ رہا ہو وہ پاک ہے پلیدی کی ملاوٹ سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بعض علماء نے زیادہ اور کم پانی کی حد مقرر کی ہے۔ فقہ کی کتابوں میں یہ مباحث موجود ہیں اور ائمہ کے اختلافات بھی اس میں کافی ہیں۔ اس کے لیے بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

فقہاء رحمہم اللہ نے پانی کو پاک کرنے کے لیے ڈولوں کی الگ الگ تعداد لکھی ہے۔ یہ تنبیہہ ہے اور نفرت کو دُور کرنے کے لیے ہے ورنہ پیمانے اور اندازے نہ عقل کے لحاظ سے درست ہیں نہ نقل کے لحاظ سے۔ صحیح یہی ہے کہ اگر پانی کا رنگ، بُو اور مزہ درست ہو جائے اور پانی صاف ہو جائے تو پانی پاک ہو گا۔ سیلاب کے پانی کا رنگ مٹی کی وجہ سے بدل جاتا ہے، مٹی چونکہ پاک ہے یہ پانی پاک ہو گا لیکن مٹیالا اور گندا ہو گا۔ اسی طرح شہر کی نالیوں میں گندگی اور پلید اجزاء سے ملا جلا پانی پلید ہے، اس سے طہارت درست نہیں۔ بارش کے دنوں میں پانی نہ نکلنے کی وجہ سے کنوئیں بدبودار ہو جاتے ہیں لیکن ان میں پلیدی کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ یہ بھی پاک ہوتے ہیں۔ بوقت ضرورت ان کا استعمال درست ہے۔ رنگ، بُو اور مزے کے بدلنے کی وجہ سے وہی پلید ہو گا جس میں پلیدی کی ملاوٹ ہو اور یہ اس وقت تک پلید رہے گا جب تک اسے صاف ستھرا نہ کر دیا جائے، رنگ، بو، مزہ درست نہ ہو جائے۔ جیسا کہ اُوپر حدیث گزری ہے۔

پانی کی حد

ایسا پانی جس پر پلیدی کا اثر نہیں ہوتا شوافع کے نزدیک اس کی حد دو بڑے مٹکے ہے۔ یہ تقریباً پانچ من ہوتا ہے۔ احناف نے اس کی حد دہ در دہ بتائی ہے۔ یعنی ایسا حوض ہو جو دس ہاتھ لمبا ہو اور دس ہاتھ چوڑا۔ اس اندازے کی حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ شوافع نے اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث (بلوغ المرام) سے استدلال فرمایا ہے۔ یعنی:

"پانی کی مقدار دو قلے (مٹکے) ہو تو اس پر پلیدی کا اثر نہیں ہوتا"

غسلِ جنابت

انسان کا جسم پلید ہو تو نماز نہیں ہوتی بلکہ نماز سے پہلے غسل کرنا ضروری ہو گا۔ اگر مرد عورت آپس میں ہم بستری کریں تو غسل واجب ہو گا۔ اس حالت کو جنابت کہا جاتا ہے

یا خواب دیکھیں اور کپڑوں پر رطوبت کا اثر ہو۔ غسلِ جنابت میں جسم کو اچھی طرح دھونا چاہیئے بالوں کی جڑوں تک تری پہنچنی چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے کوئی بال خشک نہیں رہنا چاہیئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ (ترمذی)

"بال بال میں جنابت کا اثر ہوتا ہے"

حضرت علی رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی غسل کرے اور ایک بال کی جگہ خشک چھوڑ دے اسے قیامت کے دن عذاب ہوگا۔ حضرت علی رضہ فرماتے ہیں میں نے اسی لیے سر منڈا ڈالا ہے تاکہ غسل میں کوئی جگہ خشک نہ رہے (مشکوٰۃ)

حضرت ام سلیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا۔ عورت کو اگر احتلام ہو جائے (خواب میں کپڑے مرطوب ہوں) اس پر غسل واجب ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس میں مرد عورتیں برابر ہیں (مشکوٰۃ)

اگر کپڑے پر منی کا اثر ہو غسل واجب ہوگا۔ اگر کپڑوں پر کوئی اثر نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

طریقہ غسل

حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب جنابت سے غسل فرماتے پہلے ہاتھ دھوتے پھر وضو کرتے پھر پانی سر پر ڈالتے اور اسے بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے پھر پانی تین بار سر میں ڈالتے اس کے بعد سارے بدن پر پانی بہا لیتے۔ (بخاری و مسلم)

عورتوں کے لیے سر کے بال کھولنا ضروری نہیں۔ بالوں کی جڑیں تر ہو جانی چاہئیں۔

حضرت عائشہ رضہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بعد غسل کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا خون کا اثر روئی سے صاف کر کے غسل کر لے۔ (بخاری و مسلم)

جن حالات میں غسل واجب ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے پانی نہ مل سکے یا پانی کے استعمال سے نقصان کا خطرہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ ان حالات میں غسل کے بغیر تلاوت بھی درست نہیں۔

غسل کب ضروری ہے؟

مندرجہ ذیل صورتوں میں غسل ضروری ہے۔

۱۔ کافر جب مسلمان ہو۔

۲۔ میاں بیوی جنسی ضرورت پوری کریں۔

۳۔ خواب آئے اور کپڑا گندا ہو جائے۔ اگر کپڑے پر اثر نہ ہو تو صرف خواب سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

۴۔ عورت ماہواری ایام سے پاک ہو۔

۵۔ نفاس (ولادت کے بعد) سے پاک ہو۔

۶۔ استحاضہ کی صورت میں کم از کم ایک دفعہ غسل ضروری ہے (اگر صحت اجازت دے) اور دو نمازوں کے لیے ایک غسل کرلے تو افضل ہے۔

غسلِ مسنون

عید فطر، عید اضحیٰ، احرام اور میدانِ عرفات میں داخل ہونے سے پہلے غسل مسنون ہے۔ اسی طرح میت کو غسل دینے کے بعد غسل مسنون ہے۔ (سنن نسائی ص ۴۵)

جمعہ کا غسل بھی مسنون ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

حیض اور نفاس

عورت جب ماہواری ایام سے فارغ ہو یا پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے (نفاس) وہ بند ہو جائے تو اس کا جسم پلید ہوگا اور جب تک غسل نہ کرلے اس کی نماز نہیں ہوگی۔ ام علقمہ فرماتی ہیں، عورتیں حضرت عائشہ رض کے پاس روئی ڈبیہ میں بند کر کے بھیجتیں جس کا رنگ خونِ حیض کی وجہ سے زرد ہوتا۔ یہ اس لیے بھیجتیں کہ نماز ضائع نہ ہو جائے۔ حضرت عائشہ رض فرماتیں کہ روئی کو پوری طرح سفید ہونے دو جلدی نہ کرو۔ عورتیں عموماً ان ایام میں روئی استعمال کرتی

ہیں، یہ عورتیں نہیں چاہتی تھیں کہ شبہ میں نماز ضائع ہو جائے۔ کیونکہ حیض کے ایام میں نہ نماز درست ہے نہ میاں بیوی مقاربت کر سکتے ہیں، نہ حائضہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ نفاس کا بھی یہی حکم ہے۔ نفاس چالیس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔

استحاضہ

حیض طبعی خون ہے جو ہر ماہ معین دنوں میں آتا ہے۔ استحاضہ غیر طبعی خون ہے جو بیماری کی وجہ سے مسلسل آتا ہے، اس سے بدن پلید نہیں ہوتا۔ استحاضہ کے ایام میں نماز پڑھنی چاہیئے۔ استحاضہ میں میاں بیوی ہمبستری بھی کر سکتے ہیں۔ البتہ مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت وضو کر لینا چاہیئے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں فاطمہ بنت ابی حبیش رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ میں خون سے کبھی پاک نہیں ہوتی کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں۔ جب حیض کے ایام آ جائیں تو نماز چھوڑ دو جب گذر جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھو۔ (موطا)

اسی طرح نفاس کے ایام گئے بعد اگر خون آئے تو وہ استحاضہ ہوگا۔ سلسل بول، جریان، الیکوریا کا بھی یہی حکم ہے۔ ایسے مریض ہر نماز کے لیے وضو کریں۔ اگر ہر نماز یا دو نمازوں کے لیے غسل کر لیں تو یہ افضل ہے۔

شرعی نجاست، بدن اور ان کی حدود

جنابت اور حیض و نفاس سے غسل ضروری ہے لیکن ان سے جسم پلید نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔

کان یباشرنی وانا حائض (مؤطا محمد)

"حیض کے ایام میں میرے پاس لیٹ جاتے"

اسی طرح جنبی کے جسم کو ہاتھ لگ جائے، جنبی کے پاس لیٹ جائے، حائضہ یا جنبی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھالے اس میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ کھانا ہاتھ دھو کر پکایا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے جنابت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سبحان اللہ ان المومن لا ینجس (بخاری)

"مومن پلید نہیں ہوتا"

حائضہ اور جنبی کا پسینہ پلید نہیں ہوتا لیکن غسل کے بغیر یہ لوگ نہ نماز پڑھ سکتے ہیں نہ تلاوت کر سکتے ہیں، نہ مسجد میں ٹھہر سکتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَاجُنُبٍ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابی داؤد)

"حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں ٹھہرنا درست نہیں"

قضائے حاجت کے آداب اور استنجا کا طریقہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکیزگی کے آداب بھی سکھائے چنانچہ فرمایا میں تمہارے باپ کی طرح ہوں۔ میں تمہیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہوں یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کے طریق بھی تم کو سکھاتا ہوں۔ (ابو داؤد)

۱۔ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف رُخ نہ کرے۔
۲۔ استنجا دائیں ہاتھ سے نہ کرے۔
۳۔ تین ڈھیلے سے کم استعمال نہ کرے۔
۴۔ ہڈی اور لید وغیرہ کو ڈھیلے کی جگہ استعمال نہ کرے۔
۵۔ راستہ میں، سایہ میں پانی کے گھاٹ پر پیشاب اور پاخانہ نہ کرے۔
۶۔ دایاں ہاتھ شرم گاہ کو نہ لگائے۔
۷۔ استنجا کے لیے ڈھیلے اور پانی کا استعمال درست ہے۔ اگر دونوں استعمال کرے تو افضل ہے۔
۸۔ قضائے حاجت کے لیے آبادی سے دُور جانا چاہیئے۔
۹۔ پیشاب کے چھینٹوں سے بچے اور نرم یا گہری زمین پر کرے۔
۱۰۔ قضائے حاجت یا پیشاب پردے میں کرنا چاہیئے۔

۱۱۔ غسل خانے میں پیشاب نہ کیا جائے۔

۱۲۔ پاخانہ کرتے وقت باتیں نہ کرے۔

۱۳۔ کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۴۔ قضائے حاجت کی دعا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ میں نر اور مادہ خباثتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں"

۱۵۔ بیت الخلاء سے فارغ ہو تو یہ دُعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ (مشکوٰۃ)

"اللہ کی تعریف جس نے گندگی کو دُور کیا اور مجھے صحت عطا کی"

مسنون وضو

جب نماز کا ارادہ کرے اگر وضو نہ ہو تو وضو کرے اور وضو سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھے۔ (مشکوٰۃ)

اگر نیند سے بیدار ہو یا قضائے حاجت کے بعد وضو کرے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوئے پھر تین دفعہ پانی سے کلی کرے، پھر تین دفعہ ناک میں پانی ڈالے اور ناک اچھی طرح صاف کرے اگر تین دفعہ پانی لے کر آدھا آدھا منہ اور ناک میں ڈال لے تو بھی درست ہے، پھر منہ تین دفعہ دھوئے، داڑھی کا خلال کرے اور نیچے کے چڑے کو تر کرے۔ پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے، پھر الگ پانی لے کر سر پر مسح کرے۔ اس طرح کہ پیشانی سے دونوں ہاتھ گردن کی گدی تک لے جائے۔ پھر پیشانی تک لے آئے۔ اس کے بعد دونوں پاؤں دھوئے پہلے دایاں پھر بایاں۔ (مشکوٰۃ)

مسح سارے سر پر کرے یا پیشانی پر کرنے کے بعد باقی پگڑی وغیرہ پر کرے اور کانوں کا مسح اس طرح کرے کہ کانوں کے سوراخ میں انگلی ڈال کر تر انگشت (انگوٹھے) سے کانوں کے پیچھے مسح کرے۔ (نسائی)

وضو کے اعضاء کو تین دفعہ سے زائد نہیں دھونا چاہیئے۔ ایک یا دو دفعہ دھونا

بھی درست ہے۔ (نسائی)

بشرطیکہ صفائی ہو جائے۔ انگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے (نسائی)

حضرت ابوایوب رض سے مروی ہے۔

مَنْ تَوَضَّأَ كَمَا أُمِرَ وَصَلَّى كَمَا أُمِرَ غُفِرَ لَهُ مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلٍ (نسائی)

"جس نے وضو اور نماز حکم کے مطابق ادا کیے اس کے پہلے گناہ معاف ہو گئے۔"

ایک وضو سے متعدد نمازیں درست ہیں۔

وضو کے بعد

جب وضو سے فارغ ہو تو کلمہ شہادت پڑھے۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (نسائی)

"میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں"

نیز یہ دعا بھی پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ (ترمذی)

"اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کر اور مجھے پاک رہنے کی توفیق دے۔"

فائدہ

اس دعا کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق طلب کرے۔ ظاہری اور باطنی پاکیزگی کے لیے دعا کرے۔ مذکورہ مسنون ادعیہ کے علاوہ ہر عضو کے متعلق لوگوں نے علیحدہ علیحدہ دعائیں لکھی ہیں جو سنت سے ثابت نہیں۔ (زاد المعاد)

وضو کے اعضا قیامت کے دن روشن ہوں گے۔ ان سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پہچانیں گے۔ اگر کوئی عضو وضو میں خشک رہ جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی ہے۔ تکلیف کے اوقات میں وضو سے درجے بلند ہوں گے گناہ معاف ہوں گے۔ (مسلم)

وضو کے بعد جو شخص دو رکعت نفل پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہو گی۔ (مسلم)

اسی عمل کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ کے جوتوں کی آواز جنت میں سنی۔ (مشکوٰۃ باب التطوع)

وضو ٹوٹنا

وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃٌ بِغَیْرِ طُھُوْرٍ (مسلم)

"وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی"

اس لیے اگر وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کر لینا چاہیئے۔

حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں مجھے مذی (شرم گاہ سے لیس دار پانی نکلنا) کثرت سے آتی تھی۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا مذی سے وضو کرنا ضروری ہے۔ (بخاری مسلم)

فائدہ

شہوت کے وقت شرمگاہ سے لیس دار پانی نکلتا ہے اسے مذی کہتے ہیں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر لذت اور دفق (اچھل کر) سے غلیظ پانی نکلے اسے منی کہتے ہیں۔ اس سے غسل واجب ہوتا ہے۔ پیشاب، پاخانہ، ہوا سے خواہ آواز سے خارج ہو یا آہستہ سے اور نیند سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بیہوشی بھی ناقض ہے۔ استحاضہ کے خون سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے، عورت کو ہاتھ لگنے سے، خون بہنے سے، زخم سے پیپ نکلنے سے نیز آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے بعض علماء کا خیال ہے کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن یہ احادیث صحیح نہیں۔ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ احتیاطاً کوئی کرلے تو اس کی مرضی ہے، اونگھ سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔



کِتَابُ الصَّلوٰۃ

نماز کا بیان

تمام مذاہب میں عبادت کسی نہ کسی صورت میں ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی عبادت میں شامل ہے۔ قربانی، صدقات، اللہ کی راہ میں خرچ کی تمام صورتیں عبادت ہیں۔ ذکر کے ساتھ جسم کی بعض شکلیں مثلاً قیام، رکوع، خاص طریق پر بیٹھنا یہ بھی عبادت ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی نماز کا ذکر ملتا ہے۔ (متی ۱۹/۱۷، مرقس ۱۴/۹)

اس سے ظاہر ہے کہ اس نام کی عبادت ان میں مشہور اور متعارف تھی۔ اس کی وضع، اس کے اذکار، وقت اور اس کے طریقے ہر نبی اپنی امت کو سکھاتا تھا۔ اس کی تعلیم سے امتوں میں یہ عبادات رواج پاتی تھیں۔ تاہم موجودہ آسمانی کتابیں جس طرح بھی ہمارے پاس موجود ہیں ان میں نماز کے احکام اور اذکار کی تفصیل نہیں ملتی۔

قرآن عزیز میں نماز کا تذکرہ بارہا ہوا ہے لیکن اس کی جزئیات کی تفصیل، اذکار اور اجزاء کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ اگر کسی جگہ کسی جزء کا تذکرہ آیا ہے تو وہ اجمال کے ساتھ ہے اس سے واضح ہے کہ یہ عبادت یا تو بتواتر معلوم تھی یا اس کی تفصیلی تعلیم کے سلسلہ میں پیغمبر کی ذمہ داری کو کافی سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ فرائض، سنن، مستحبات تک کا بیان فرما دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نماز میں جزوی اختلاف کے باوجود نماز کا ذکر اس تواتر سے آیا ہے کہ اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تواتر

بنا بریں بظاہر قرآن عزیز کے تواتر سے نماز کا تواتر کہیں زیادہ ہے۔ نماز کے ماننے اور پڑھنے والے قرآن کے الفاظ پڑھنے والوں سے بہت ہی زیادہ ہیں۔ اس عملی تواتر کے ہوتے ہوئے مروجہ نماز کے خلاف منکرینِ سنت نے جو مضحکہ خیز معاملہ کیا ہے وہ

انتہائی تعجب انگیز ہے۔ اس موضوع پر آج تک جو کچھ لکھا گیا ہے بڑا غیر معقول غیر مربوط اور باہم متعارض ہے۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی رمضان گوجرانوالہ، رشید الدولہ گجرات، ملتان اور ڈیرہ غازیخاں کے منکرین حدیث اور مولوی احمد دین امرتسری نے جن پریشان خیالات کا اظہار کیا ہے وہ علمی طور پر مضحکہ خیز بھی ہیں اور شرمناک بھی۔

نماز کی فرضیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوّت سے پہلے خلوت اور یکسوئی کو پسند فرماتے۔ نبوّت کے بعد جب تک نماز فرض نہ ہوئی تھی یکسوئی اور عبادت کا یہ ذوق قائم رہا بالآخر معراج کی رات نماز فرض فرمادی گئی۔ معراج کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ معراج ۱۲ سنہ نبوی میں ہوا اور اسی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اوقات، طہارت، ارکان، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور صحابہ رضؓ نے پورے التزام سے اسے پڑھنا شروع کیا۔ صحابہ رضؓ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ تھی لیکن ان میں کوئی بے نماز نہیں تھا۔ اس کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمۂ اسلام اور عامۃ المسلمین اسے بتواتر ادا کرتے رہے ہیں۔

ترکِ نماز اور کفر

۱۔ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (صحیح مسلم ابوداؤد)

"حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا مشرک اور مسلمان آدمی میں نماز کا فرق ہے۔"

۲۔ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْاِيْمَانِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (ترمذی)

یعنی "کفر اور ایمان میں نماز کا فرق ہے۔"

۳۔ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (ابوداؤد)

"انسان اور کفر میں نماز کا فرق ہے۔"

۴۔ عَنْ بُرَیْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعَھْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ اِلصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ (ترمذی)

"بریدہ رضؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم میں اور غیر مسلموں میں نماز کا فرق ہے جس نے نماز ترک کردی کافر ہو گیا"

۵۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرَوْنَ شَیْئًا تَرْکُہٗ کُفْرًا اِلَّا الصَّلٰوۃَ (تیسیر الوصول ج۲ ص۱۹۱ بحوالہ ترمذی)

"عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے سوا کسی عمل کا ترک کفر نہیں جانتے تھے۔

۶۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ کَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلَہٗ وَمَالَہٗ (صحیحین)

"ابن عمرؓ فرماتے ہیں جس کی نماز عصر ضائع ہوگئی اس کا گھر بار تباہ ہو گیا"

۷۔ ابوالملیح فرماتے ہیں ہم ایک دن حضرت بریدہؓ کے ساتھ تھے۔ اس دن آسمان ابر آلود تھا۔ بریدہ رضؓ نے فرمایا عصر کی نماز سویرے پڑھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے تمام اعمال برباد ہو گئے۔ (منتقیٰ مع نیل)

۸۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے ضائع کر دیا وہ باقی امور کو بھی ضائع کر سکتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث اور آثار سے ظاہر ہے کہ نماز اسلام کا رکن ہے اس کا ترک کرنا کفر ہے۔ نماز کے تارک کو کافر و مشرک فرمایا گیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے جب ایک شخص اذان سنتا ہے۔ اس کے پاؤں میں مسجد کی طرف حرکت نہیں ہوتی اس میں اور کفار میں کیا فرق ہے؟ ان کا بھی یہی حال ہے کہ نماز کے لیے ان کے پاؤں میں کوئی حرکت نہیں ہوتی۔

کفر کی نوعیت

البتہ کفر، نفاق، شرک ایسے اصطلاحی الفاظ کے استعمال اور ان کے مختلف مواقع

پر پورے پیمانے میں مختلف معانی معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً کفر کا لفظ دینی حقائق کے انکار اور بعض غلط عقائد کے اپنانے پر بھی بولا گیا ہے اور بعض اعمال کے ارتکاب یا ترک پر بھی کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ (مشکوۃ)

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کے قتل کی کوشش کرنا کفر ہے"

مطلب یہ کہ قتال ایک عملی غلطی ہے کسی دینی حقیقت کا انکار نہیں۔ یا مثلاً عورتوں کو فرمایا

تَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ (مشکوۃ)

"یعنی تم خاوند کی ناشکری کرتی ہو"

یہ بھی اضافی کفر ہے۔ جس کا عمل سے تعلق ہے کسی دینی حقیقت کا انکار نہیں، ایسے ہی یہ حدیث ہے۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ (مشکوۃ)

"جو منہ نوچے، کپڑے پھاڑے اور جاہلیت کے انداز سے واویلا اور نوحہ کرے وہ ہم سے نہیں"

غرض کہ ان اعمال کی وجہ سے ایسے لوگوں کے اسلام کی نفی جو کی گئی ہے تو یہ عملی کفر ہے۔ ارتداد اور اسلام سے بالکلیہ خروج نہیں، نہ ہی ایسے غلط کار اور بدکردار لوگوں کو موت کی سزا دی گئی ہے اس لیے کہ یہ ضروریاتِ دین اور اسلامی عقائد کے منکر نہیں البتہ عملاً ان کی زندگی جزوی طور پر کفر سے ملتی جلتی ہے۔

نفاق

نفاق کا مطلب یہ ہے کہ دینی حقائق اور عقائد کا مصلحتاً اقرار کرے اور دل سے ان کا منکر ہو۔ یہ کفر کا دوسرا نام ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے اور بھی بدتر۔ اس کے متعلق فرمایا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء)

"منافق جہنم کی نچلی تہ میں ہوں گے"

26601

سورہ بقرہ، سورہ منافقون اور بعض دوسرے مقامات پر ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی اور انہیں کفر سے بھی بدتر قرار دیا ہے لیکن بعض مقامات پر بعض ایسے اعمال کو بھی نفاق سے تعبیر فرمایا جن میں کسی دینی حقیقت کا انکار نہیں صرف عملی کمزوری ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (مشکوٰۃ)

یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں۔

۱۔ عہد شکنی کرنا

۲۔ نزاع کے وقت بدزبانی کرنا

۳۔ امانت میں خیانت کرنا

سو یہ عملی نفاق ہے اس میں کسی دینی حقیقت کا انکار نہیں۔

شرک

شرک کی حقیقت اصلیہ تو یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی غیر کو شریک سمجھے یا عادی وسائل اور اسباب کے بعد اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیبی قوت پر یقین رکھے اس سے نفع و نقصان کی امید رکھے۔

لیکن معلوم ہے کہ ریا اور سمعہ کو بھی شرک فرمایا گیا یہ عملی شرک ہے۔ ذات حق اور اس کی صفات اور اس کی سلطنت غیبیہ میں بظاہر کوئی مداخلت نہیں۔ پس بے نماز کو اسی معنی میں کافر کہا گیا ہے۔ حافظ ابن قیم کا ارشاد ہے۔

وَھَاھُنَا اَصْلٌ اٰخَرُ وَھُوَ اَنَّ الْکُفْرَ نَوْعَانِ (۱) کُفْرُ عَمَلٍ (۲) وَاٰخَرُ کُفْرُ جُحُوْدٍ فَکُفْرُ الْجُحُوْدِ اَنْ یَّکْفُرَ بِمَا عَلِمَ اَنَّ الرَّسُوْلَ جَاءَ بِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ جُحُوْدًا وَعِنَادًا مِنْ اَسْمَاءِ الرَّبِّ وَصِفَاتِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَاَحْکَامِہٖ وَھٰذَا الْکُفْرُ یُضَادُّ الْاِیْمَانَ مِنْ کُلِّ وَجْہٍ وَاَمَّا کُفْرُ الْعَمَلِ فَیَنْقَسِمُ

إلى ما يضادّ الإيمان وإلى ما لا يضادّه فالسجود للصنم والاستهانة بالمصحف وقتل النبي وسبّه يضادّ الإيمان وأمّا الحكم بغير ما أنزل الله وترك الصلوٰة فهو من الكفر العملي قطعًا ولا يمكن أن ينفي عنه اسم الكفر بعد أن أطلقه الله ورسوله عليه فالحاكم بغير ما أنزل كافر وتارك الصلوٰة كافر بنص رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن هو كفر عمل لا كفر اعتقاد۔ اھ

(کتاب الصلوٰة مجموعۃ الحدیث ص۲۰)

"کفر دو قسم پر ہے کفر عمل اور کفر جحود و عناد، ارشادات نبویہ کا انکار، اللہ کی صفات اور احکام کا انکار کفر جحود ہے۔ یہ ایمان کی بالکل ضد ہے۔ عملی کفر کی بعض صورتیں ایمان کی ضد ہیں جیسے بت کو سجدہ، قرآن کی توہین، نبی کا قتل اور اس کو گالی دینا لیکن قانون الٰہی کے خلاف فیصلے کرنا اور نماز کا ترک کرنا یہ عملی کفر ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کفر کا لفظ اطلاق فرمایا ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا۔ حاکم بغیر ما انزل اللہ کافر ہے اور نماز کا تارک بھی یقیناً کافر ہے لیکن یہ عملی کفر ہے اعتقادی نہیں نہ ہی اس سے ارتداد لازم آتا ہے۔"

حافظ ابن قیمؒ نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وهذا الكفر لا يخرجه من الدائرة الإسلامية والملة بالكلية كما لا يخرج الزاني والسارق والشارب عن الملة وإن زال عنه اسم الإيمان (کتاب الصلوٰة ص۲۰)

"کفر عملی انسان کو دائرہ اسلام سے کلی طور پر خارج نہیں کرتا جس طرح زانی، چور، شراب خور مومن نہ ہونے کے باوجود اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔"

نیز حافظ رحؒ نے فرمایا۔

هذا التفصيل هو قول الصحابة الذين هم أعلم

الْاُمَّۃِ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَبِالْاِسْلَامِ وَالْکُفْرِ وَلَوَازِمِہَا فَلَا تُتَلَقّٰی
هٰذِہِ الْمَسَائِلُ اِلَّا مِنْہُمْ (کتاب الصلوٰۃ ص۲۰)

"یہ تفصیل صحابہ سے منقول ہے جو کتاب اللہ اور اسلام و کفر اور اس کے لوازم کو سب سے بہتر جانتے ہیں اور یہ مسائل انہی بزرگوں سے سمجھے جا سکتے ہیں"

اس تشریح سے ان الفاظ کے معنی بھی واضح ہو جاتے ہیں اور بیسیوں احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور کم فہم حضرات تیز فتووں سے بھی بچ جائیں گے کیونکہ یہ کفر ارتداد اور خروج از اسلام کے مترادف نہیں۔ بے نماز کے متعلق ائمہ اسلام کے نظریات کو حافظ حمد بن محمد بن ابراہیم خطابی (۳۸۸ھ) نے معالم السنن میں اختصار سے اس طرح فرمایا ہے۔

وَقَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِیْ حُکْمِ تَارِکِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ مَالِکٌ وَالشَّافِعِیْ یُقْتَلُ تَارِکُ الصَّلٰوۃِ قَالَ مَکْحُوْلٌ یُسْتَتَابُ فَاِنْ تَابَ وَاِلَّا قُتِلَ وَاِلَیْہِ ذَھَبَ حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ وَوَکِیْعُ بْنُ الْجَرَاحِ وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ لَا یُقْتَلُ وَلٰکِنْ یُضْرَبُ وَیُحْبَسُ وَعَنِ الزُّھْرِیِّ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّمَا ھُوَ فَاسِقٌ یُضْرَبُ ضَرْبًا مُبَرِّحًا وَیُسْجَنُ وَقَالَ جَمَاعَۃٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ تَارِکُ الصَّلٰوۃِ عَمَدًا حَتّٰی یَخْرُجَ وَقْتُھَا بِغَیْرِ عُذْرٍ کَافِرٌ ھٰذَا قَوْلُ اِبْرَاھِیْمَ النَّخْعِیْ وَاَیُّوْبَ وَعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الْمُبَارَکِ وَاَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ وَقَالَ اَحْمَدُ لَا یُکَفَّرُ اَحَدٌ بِذَنْبٍ اِلَّا تَارِکَ الصَّلٰوۃِ عَمَدًا وَاحْتَجُّوْا بِخَبَرِ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَالْکُفْرِ اِلَّا تَرْکُ الصَّلٰوۃِ

(معالم السنن ج ۱ ص۱۵۰)

"بے نماز کے متعلق علماء میں اختلاف ہے امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں اس کو قتل کر دیا جائے۔ مکحول فرماتے ہیں اسے توبہ کے لیے کہا جائے اگر آمادہ نہ ہو تو قتل کر دیا جائے حماد بن زید اور وکیع کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں قتل نہ کیا جائے

جسمانی سزا دی جائے اور قید کر دیا جائے۔ زہری فرماتے ہیں یہ فاسق ہے جسمانی سزا دینی چاہیئے جس سے ہڈی نہ ٹوٹے اور جیل بھیجدیا جائے۔ بعض علماء نے فرمایا بلا عذر نماز کا تارک کافر ہے۔ ابراہیم نخعی، ایوب، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں نماز کے علاوہ کسی گناہ سے انسان کافر نہیں ہوتا اور حضرت جابر کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ ترک نماز انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے"

نماز کی رکعات

نمازیں پانچ ہیں۔ جن کا ذکر قرآن عزیز نے اختصار سے فرمایا ہے۔ احادیث میں اوقات وظائف، فرائض، سنن، مستحبات کی تفصیلی تصریحات موجود ہیں۔ یہ تمام امور متواتر ہیں۔ لاکھوں انسانوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر ہر زمانے میں لاکھوں اور کروڑوں انسانوں نے یہ عمل اسی طرح کیا۔ یہی صورت مسلسل صدیوں سے اسی طرح آ رہی ہے۔ اس کے خلاف جن لوگوں نے شبہات کا اظہار کیا ہے وہ قطعاً قابل توجہ نہیں۔ اگر سنت میں یہ تفصیلات نہ بھی مرقوم ہوتیں تو بھی کوئی حرج نہ تھا تاہم سنت صحیحہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ چنانچہ کل فرائض سترہ رکعت ہیں۔

ظہر	چار رکعت	عصر	چار رکعت
مغرب	تین "	عشاء	چار "
فجر	دو "		

ان میں کم زیادہ کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

سفر اور خوف کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تخفیف ممکن تھی واضح فرما دی ہے۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔ یہ تعداد سنن نسائی میں حضرت انس رضؓ حضرت عائشہ رضؓ، حضرت ابو سعید رضؓ، حضرت سعید ابن جبیر رضؓ سے مروی ہے (نسائی صفحہ ۵۴/۵۵ جلد ۱)

اذان اور اقامت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک بیت اللہ میں رہے نماز با جماعت کا التزام نہ تھا۔ اس لیے کہ کفار مزاحمت کرتے تھے۔ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نماز با جماعت میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ خصوصاً مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس قسم کا اجتماع اور اس کے لیے اعلان ضروری تھا۔ اس کے متعلق صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مشورے ہوئے۔ بعض نے خواب دیکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سلسلہ میں راہنمائی فرمائی گئی۔ مختلف تجاویز سامنے آنے کے بعد اذان کا فیصلہ ہوا جو اس وقت مساجد میں کہی جاتی ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ - اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

"اللہ تمام کائنات سے بڑا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کی طرف آؤ۔ کامیابی کے لیے آؤ۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"

اذان سے دُور کے لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ نماز با جماعت ادا کریں۔ اس لیے کوشش ہونی چاہیئے کہ اسے اُونچی آواز سے کہا جائے۔ ممکن ہو تو اُونچی جگہ کھڑے ہو کر کہی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موذن کی اذان سُننے والے قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے (مشکوٰۃ)

اقامت ان لوگوں کو نماز کی اطلاع دینے کیلیے ہے جو مسجد کے قریب ہیں یا مسجد میں آچکے ہیں اس لیے اقامت اذان کی طرح بلند آواز سے نہیں کہی جاتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اذان عموماً شفع (دو دو کلمات) اور اقامت فرادیٰ

(اکہری) کہی جاتی۔ ترجیع کیساتھ بھی اذان مسنون ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شہادتین کو دو دو دفعہ کہنے کے بعد دوبارہ بلند آواز سے دہرایا جائے گویا چار چار دفعہ کہے جائیں۔

اکہری اقامت یوں کہی جائے گی اَللّٰہُ اَکْبَرُ دو دفعہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ایک دفعہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ ایک دفعہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ایک ایک دفعہ آخرین اَللّٰہُ اَکْبَرُ دو دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر اقامت ختم ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤذن اذان ٹھہر ٹھہر کر کہتا اور اقامت جلدی جلدی کہتا۔ اذان میں آواز بلند کرنا بہتر ہے اور اقامت میں آہستہ۔ (مشکوٰۃ)

اگر اذان میں شہادتین کا تکرار نہ کرے اور اقامت میں تکبیر چار دفعہ (اذان کی طرح) اور شہادتین دو دو دفعہ کہے تو بھی درست ہے لیکن راجح اور بہتر پہلی صورت ہے۔ یہ ساری تفصیل سنن نسائی، سنن دار قطنی، مجمع الزوائد وغیرہ کتب حدیث میں ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

قُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُ (مشکوۃ)

اس حدیث کی رو سے جب اذان اور اقامت سنے تو بعینہ ان الفاظ کو دہرائے جس طرح کہ مؤذن کہتا ہے۔ ترجیع کے ساتھ اذان اہل حجاز کا معمول ہے اور ترجیع کے بغیر اذان علماء عراق کا معمول ہے۔

جب اذان سنی جائے تو تمام کلمات کو ساتھ ساتھ دہرایا جائے جیسے پہلے ذکر ہوا۔ مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کی بجائے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ کہنا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

اذان کے بعد دعا

اذان ختم ہو جائے تو یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ (مشکوۃ)

"اے اللہ اس کامل دعوت کے رب اور اس نماز کے رب جو قائم ہو رہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام وسیلہ عطا کر اور فضیلت مرحمت فرما اور ان کے درجات بلند فرما اور انہیں حسب وعدہ مقام محمود عطا فرما"

حضرت سعد بن وقاص رضؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اذان سنتے تو یہ کلمات کہے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کے دین ہونے پر خوش ہوں"

اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (مشکوۃ)

عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے اور درود پڑھو۔ جو مجھ پر درود پڑھے گا، اللہ اس پر دس دفعہ رحمت فرماتا ہے۔ پھر میرے لیے وسیلے کی دعا کرو۔ یہ جنت میں ایک مقام ہے جو صرف ایک آدمی کو مرحمت فرمایا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ جو میرے لیے اس مرتبہ کی طلب کرے اس کے لیے میری شفاعت یقینی ہے۔ (مشکوۃ)

اقامت کے الفاظ کو بھی دہرانا چاہیئے اور قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے ساتھ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا کہنا چاہیئے (یعنی اللہ اسے ہمیشہ قائم رکھے) (مشکوۃ)

تثویب[1]

صبح کی اذان میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے بعد مؤذن اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہے اس کا نام تثویب ہے جو مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ سے فرمایا۔

---

[1] تثویب مختلف اوقات میں بدلتی رہی۔ پہلی صدی کے اواخر میں جب خلفاء یا حکام یا عوام مسجدیں پہنچے تو مؤذن اذان اور اقامت کے درمیان قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ بار بار کہتا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مسجد میں یہ تثویب سنی تو ساتھی سے فرمایا۔ بدعتیوں کی مسجد سے نکل چلو اور وہاں نماز نہ پڑھی (ترمذی ص ۱۷۷ جلد ۱)

امام ترمذی فرماتے ہیں اِنَّمَا کَرِہَ عَبْدُاللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ التَّثْوِیْبَ الَّذِیْ اَحْدَثَہُ النَّاسُ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس تثویب کو ناپسند کیا جسے لوگوں نے از خود بنایا تھا۔ اس کے بعد بھی کئی تثویبیں گھڑی گئیں۔ عباسی خلفاء نمازوں میں کم حاضر ہوتے۔ امامت کے فرائض بھی کوئی دوسرا آدمی سرانجام دیتا۔ فاطمیوں کا بھی یہی حال تھا۔ یہ غالی شیعہ تھے۔ اہل بیت کے ذکر سے ساری کمی پوری کرتے۔ ان کے زمانے میں خلفاء پر سلام کا نام تثویب رکھ لیا گیا۔ فاطمیوں نے حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ اور مُحَمَّدٌ وَّعَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ کا اضافہ کیا۔ فاطمیوں کا فتنہ صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں ختم ہوا۔ مسنون حجازی اذان دوبارہ جاری ہوئی۔ یہ تقریباً ۵۶۷ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد یہ علاقے ترکوں نے فتح کیے، ترک حنفی تھے انہوں نے عراقی اذان جاری کی۔ فقہ حنفی کے لیے مدرسے جاری کیے۔ اس وقت نہ اذان میں ترجیع تھی نہ اقامت فرادیٰ بلکہ اذان اور اقامت قریباً یکساں تھی۔ ۷۹۱ھ میں ایک گورنر نے جس کا نام منطاش تھا بعض جاہل فقیروں اور صوفیوں کے مشورہ سے ایک جھوٹی خواب گھڑی اور مصر کے داروغہ نجم الدین الطنبدی کو سنا کر تثویب کے طور پر آج کل کی مروجہ صلوۃ (اذان سے پہلے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بلند آواز سے) جاری کر دی۔ یہ داروغہ بقول علامہ مقریزی بڑا راشی، جاہل اور ظالم تھا۔ آج کل بعض مساجد میں اذان کے ساتھ

لَا تُثَوِّبَنَّ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الصَّلَوٰتِ اِلَّا فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ (ترمذی عن بلال ص۱۷)

"فجر کے سوا کسی وقت تثویب مت کہو"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو "صلوٰۃ" غلط انداز سے گائی جاتی ہے یہ فاطمی رافضیوں کی سنت ہے اور داروغہ نجم الدین الطنبدی کی ایجاد ہے۔ اسلام میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ آٹھویں صدی میں شروع ہوئی تھی۔ چند سالوں سے ہمارے ملک میں بھی بریلوی حضرات نے جاری کر لی ہے۔ مقریزی فرماتے ہیں شعبان ۷۹۱ھ میں یہ بدعت مصر اور شام کے تمام شہروں میں عام ہو گئی۔ عوام اور اکثر جاہل سمجھتے ہیں یہ اذان کا لازمی حصہ ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جہلا دیہات میں اپنے مردہ پیروں کو سلام کہنے لگے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الخطط والآثار مقریزی جلد ۴ صفحہ ۴۴، ۴۷)

تثویب کا چارٹ

۱۔ فِیْ اَیَّامِ بَنِیْ اُمَیَّۃَ — حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

بَنُوْ اُمَیَّۃَ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ الصَّلٰوتَ الْخَمْسَ اِلٰی نَزَلَ الْخُلَفَاءُ الْفَاطِمِیُّوْنَ وَالْعَبَّاسِیُّوْنَ تَرَکُوْا ذٰلِكَ فِیْ عَامَّۃِ الْاَحْوَالِ وَاَکْثَرُھُمْ عَجَمًا فَالْمُؤَذِّنُوْنَ کَانُوْا یُسَلِّمُوْنَ عَلَی الْخَلِیْفَۃِ بَعْدَ الْاَذَانِ بِاَسْمَائِھِمْ۔ فَلَمَّا انْقَضَتْ اَیَّامُھُمْ غَیَّرَ السُّلْطَانُ صَلَاحُ الدِّیْنِ رُسُوْمَھُمْ لَمْ یَجْتَرِءْ اَحَدٌ مِنَ الْمُؤَذِّنِیْنَ اَنْ یُسَلِّمَ عَلٰی صَلَاحِ الدِّیْنِ اِحْتِرَامًا لِلْخَلِیْفَۃِ الْعَبَّاسِیِّ بِبَغْدَادَ فَجَعَلُوْا عِوَضَ السَّلَامِ عَلَی الْخَلِیْفَۃِ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاسْتَمَرَّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْفَجْرِ بِمِصْرَ وَالشَّامِ وَالْحِجَازِ (الخطط والاثار)

۲۔ مُحَمَّدٌ وَعَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ کا اضافہ ۳۴۷ھ میں ہوا جب نور الدین محمود نے یہ علاقہ فتح کیا تو ابو الحسن علی بن حسن حنفی نے احناف کی ایک جماعت کے ساتھ اس بدعت کو بزور شمشیر ختم کیا اور فقہائے کوفہ کے مسلک پر اذان جاری ہوئی۔

۳۔ معز الدین اللہ گوہر نے ۳۵۹ھ میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ جاری کرایا۔

پوری امت کا اس حدیث پر عمل ہے۔ اس کے بعض طرق میں ضعف ہے لیکن بعض طریق صحیح بھی ہیں۔ (التلخیص الحبیر ص ۷۵)

نماز با جماعت

تمام ائمہ اسلام متفق ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ

" یعنی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔

ایک حدیث میں فرمایا۔

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قَالَ فَضْلُ الْجَمَاعَةِ عَلٰى صَلٰوةِ اَحَدِكُمْ وَحْدَهُ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ جُزْءًا (ابن ماجہ، نسائی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۴) حاکم بامر اللہ نے ۴۰۰ھ میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ جاری کرایا۔

۵۔ اذان کے بعد ۴۰۰ھ میں اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔

۶۔ ۴۰۵ھ میں صرف اَلصَّلٰوۃُ رَحِمَکَ اللّٰہُ

۷۔ ابوالمیمون بن عبدالمجید کی حکومت کا زمانہ تھا۔ ۵۲۴ھ میں اس نے حافظ لدین اللہ کو قید کرایا اور محل کے در و بست پر قابض ہوا۔ اس نے حی علی خیر العمل اور محمد و علی خیر البشر کے الفاظ اذان سے ساقط کرائے۔ ۵۲۶ھ میں یہ قتل ہوا تو دوبارہ حافظ لدین اللہ نے حکومت پر قابض ہو کر یہ الفاظ جاری کرا دیئے۔

۸۔ مصر میں سلطان صلاح الدین نے علماء حجاز کے مسلک کے مطابق اذان جاری کرائی ۵۶۷ھ۔

۹۔ وَاَمَرَ الْمُحْتَسِبُ صَلَاحُ الدِّیْنِ عَبْدُ اللّٰہِ الْبَرِیْسِیُّ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَانَ ۷۶۱ھ

"اکیلے نماز سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ۲۵ درجات افضل ہے۔"

اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ نماز ستائیس درجے اجر میں زیادہ ہو جاتی ہے۔

(ابن ماجہ ص ۵۷، دارمی طبع ہند ص ۱۵۱)

نیز فرمایا نماز کے لیے دور سے چل کر آنے میں ہر قدم پر اللہ کی طرف سے اجر لکھا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۵۷)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں نماز کے لیے کسی آدمی کو حکم دوں وہ نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے مکان جلا دوں جو جماعت کے ساتھ شریک نہیں ہوتے۔ (ابن ماجہ ص ۵۸)

ابن ام مکتوم اور عتبان مالک یہ دونوں صحابی آنکھوں سے معذور تھے۔ دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ ہم معذور ہیں گھر میں نماز ادا کر لیں! آپ نے عتبان رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی۔ (صحیح بخاری)

لیکن ابن ام مکتوم کو فرمایا اگر تم اذان سنتے ہو تو تمہیں مسجد میں آنا چاہیئے۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ گھر پر نماز ادا کرنے سے معذور کو بھی جماعت کا اجر نہیں مل سکتا۔ ممکن ہے عبداللہ بن ام مکتومؓ چلنے پھرنے میں عتبان سے زیادہ ہوشیار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا لوگوں کو یا تو مساجد میں حاضر ہونا چاہیئے ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں غافلوں میں شمار فرمائیں گے۔ (ابن ماجہ ص ۵۸)

ان احادیث سے ظاہر ہے نماز با جماعت کس قدر ضروری ہے۔ بلا وجہ جماعت سے پیچھے رہنا شرعاً جرم ہے۔ معمولی عذر کی وجہ سے بھی جماعت کا ترک درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری علالت میں ضعف کے باوجود دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر جماعت میں شریک ہوتے۔

امام عطارؒ، حسن بصریؒ، اوزاعیؒ، ابوثورؒ، امام احمدؒ اور شافعیؒ جماعت کے ساتھ نماز واجب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اکیلا پڑھے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہو

گی لیکن ترک واجب کی وجہ سے مجرم ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رح اور امام مالک رح جماعت کو سنّت مؤکدہ فرماتے ہیں اور سنّت مؤکدہ کے تارک کو مجرم سمجھتے ہیں۔ بہرحال جماعت واجب ہو یا سنّت اس کا بلا عذر تارک باتفاق ائمہ مجرم ہے[۱]

گو جماعت گھر میں بھی ہوسکتی ہے لیکن مجبوری کی بنا پر۔ بلا عذر گھر میں نماز ادا کرنا درست نہیں۔ اگر جماعت کی گھروں میں کھلی اجازت دے دی جائے تو مساجد کی تعمیر بیکار ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز مسجد میں با جماعت ادا فرمائی۔ اس لیے عذر کے سوا نہ بلا جماعت پڑھنا درست ہے نہ مسجد کے سوا گھر یا دکان وغیرہ میں۔ عبداللہ بن مسعود رض فرماتے ہیں۔

لَوْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ (سنن کبری بیہقی ج ۳ ص ۵۹)

"اگر تم گھر میں نماز پڑھو گے جس طرح فلاں پڑھتا ہے تو سنّت کو ترک کر دو گے۔ اگر سنّت کو ترک کرو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔"

البتہ عذر ہو مثلاً بارش، بیماری، کھانے اور بھوک کی موجودگی، اقتضائے حاجت کا شدید احساس، پیشاب وغیرہ ضروریات سے جماعت ترک کی جاسکتی ہے۔ ان معاذیر کا صراحتہً ذکر احادیث میں موجود ہے۔

امام کے اوصاف

مقام امامت کی شرعاً اس قدر اہمیت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی خود امامت فرماتے رہے اور اگر کبھی کسی ضرورت کے لیے مدینہ منورہ سے باہر جانا ہوا تو مسجد کو کبھی خالی نہیں چھوڑا بلکہ کسی بہتر آدمی کو امام مقرر فرماتے۔ آخری بیماری

---

[۱] مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الصلوٰۃ ابن قیم ص ۴۴۲ تا ۴۵۸

میں ضعف ونقاہت کی وجہ سے جب مسجد تشریف لانا مشکل ہوگیا تو بڑے اصرار سے حضرت ابوبکرؓ کو امام مقرر فرمایا۔ امہات المومنین نے کوشش کی کہ مرض کے ایام میں حضرت عمرؓ امامت فرمائیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشورہ بڑی سختی سے مسترد فرمایا۔ اور حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ایام میں مسلسل امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ (صحیح بخاری)

بیعت خلافت کے بعد تو وہ ہی مستقل امام تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ) حسب دستور پورے التزام سے امامت فرماتے رہے۔ ان ایام میں امامت خلافت کے لوازم سے تھی بلکہ قلمرو کے اہم مقامات پر امام کے تقرر میں دربار خلافت کی رائے کا احترام ملحوظ رکھا جاتا اور امام بہتر سے بہتر مقرر کیا جاتا گویا مقام امامت اور مقام خلافت اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے برابر تصور ہوتے اور کوشش کی جاتی کہ خلافت اور امامت کے فرائض ایک ہی شخص انجام دے۔

لیکن امامت کی ضرورت، خلافت سے مختلف تھی۔ امام ہر مسجد کے لیے ضروری تھا لیکن خلیفہ پوری قلمرو کے لیے ایک ہی کافی تھا اس لیے امام کے لیے بعض دوسری خصوصیات ملحوظ رکھی گئیں جو احادیث میں مرقوم ہیں۔

عن ابی مسعود الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَءُ هُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِى الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِى السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِى الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا (معالم السنن ص۱۶۶ ج۱ سنن کبریٰ ص۱۱۹ ج۳)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ کو جانتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ سنت کا ماہر ہو اگر اس میں آدمی برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو۔ اگر اس صفت میں برابر ہوں تو جو عمر میں زیادہ ہو

وہ امام ہو گا۔"

یہ حدیث مختلف الفاظ اور مختلف طرق سے مروی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ امام کو ان اوصاف کی بنا پر ترجیح دی جائے گی اور اس کا انتخاب ان اوصاف کی روشنی میں ہو گا۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ فَاِنَّھُمْ وَفْدُکُمْ فِیْمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ اسناد ھذا الحدیث ضعیف (سنن کبری ص ۹۰ ج ۳)

"امام بہتر لوگوں کو بناؤ وہ تمہارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان ایک ذریعہ ہیں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

اس سے ظاہر ہے امام مقرر کرتے وقت بہتر آدمی کو انتخاب کرنا چاہیئے۔ حدیث گو ضعیف ہے لیکن صحیح احادیث سے اس کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ نمبر ا

خلفاء بنی امیہ میں بھی یہ دستور جاری رہا۔ اس دور میں اول وقت کی پابندی قائم نہ رہ سکی لیکن اپنی بساط کے مطابق اکثر ان میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بنو عباس میں یہ پابندی بہت کم ہو گئی وہ خود اس کے اہل بھی نہ تھے۔ لوگ بھی ان کی اقتدا پسند نہیں کرتے تھے۔

مغل بادشاہ اکثر جاہل تھے۔ علماء کا ادب کرتے تھے لیکن امامت کی ان میں صلاحیت ہی نہ تھی اس لیے امامت کا تعلق تخت و تاج سے قریباً کٹ گیا۔ انگریزی اقتدار کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں بے دینی اور جہالت کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ علماء کا ظاہری اقتدار قائم نہ رہ سکا نہ ہی علماء اسے قائم رکھ سکے۔ یہ علمی انحطاط اور اخلاقی انحطاط کا سلسلہ روز بروز روبہ ترقی ہے۔ اب ائمہ مساجد میں بہت کم حضرات ہیں جو اخلاق و قابلیت کے اعتبار سے اس مقام کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ارزاں سے ارزاں امام تلاش کیا جاتا ہے وہ تنگدستی کی وجہ سے اخلاقی ذمہ داریوں کو نباہ نہیں سکتا۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے

اچھے لوگ بھی مضحکہ بن کر رہ گئے ہیں اور امامت، دنیا کا ادنیٰ ترین کام بن کر رہ گیا ہے۔

فائدہ نمبر۲

فقہ حنفیہ نے امامت کے مستحقین کا تذکرہ اس ترتیب سے فرمایا ہے۔

۱۔ نماز کے احکام کا پوری طرح واقف ہو اور فرائض اور واجبات کو اچھی طرح جانتا ہو۔

۲۔ قرآن تجوید سے پڑھ سکتا ہو۔

۳۔ پرہیزگار ہو۔

۴۔ معمر ہو۔

۵۔ خلیق ہو۔

۶۔ خوبصورت ہو۔

۷۔ شریف النسب ہو۔

۸۔ خوش آواز ہو۔

۹۔ بیوی خوش وضع ہو۔

۱۰۔ مالدار ہو۔

۱۱۔ بارعب ہو۔

۱۲۔ خوش پوش ہو۔

۱۳۔ سر بڑا ہو۔

۱۴۔ بعض دوسرے اعضاء کے تناسب کا بھی بعض فقہاء نے ذکر فرمایا ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار لابن عابدین شامی ص ۵۸۲،۵۸۲ جلد ۱)

علامہ کاسانی نے ان وجوہ ترجیح کو کسی قدر تقدیم و تاخیر سے اور کم و بیش لکھا۔ (البدائع والصنائع ص ۱۵۶،۱۵۷ جلد ۱)

لیکن صحیح حدیث کی ترتیب مقصد کے لحاظ سے موزوں اور مناسب ہے۔

امام کی اقتدار

باجماعت نماز میں امام کی اقتدار ضروری ہے۔ تمام ارکان میں مقتدی کو امام کے تابع رہنا چاہیئے۔ رکوع سجود وغیرہ ارکان میں امام سے سبقت کرنا حرام ہے۔ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی گویا مقتدی امام ہو گیا بلکہ امام کے ساتھ بھی ادا کرنا درست نہیں۔ ہر صورت میں امام کے بعد ہی ارکان کو ادا کرنا چاہیئے۔ احادیث میں اس کی تائید بوضاحت مرقوم ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما یامن الذی یرفع راسہ فی صلوتہ قبل الامام ان یحول اللہ صورتہ فی صورۃ حمار (صحیح مسلم ص۱۸۱ ج۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی نماز میں امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اسے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ اس کی شکل گدھے کی سی بنا دے"

عن انس قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذات یوم فلما قضی الصلوۃ اقبل علینا بوجھہ فقال ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقوا بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف فانی اراکم امامی ومن خلفی ثم قال والذی نفس محمد بیدہ لو رایتم ما رایت لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا۔ قالوا وما رایت یا رسول اللہ قال رایت الجنۃ والنار (صحیح مسلم ص۱۸۰ ج۱)

"حضرت انس رض سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز پڑھائی جب نماز ہو چکی تو ہماری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں رکوع سجود قیام اور منہ پھیرنے میں مجھ سے آگے مت بڑھو۔ میں سامنے اور اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ پھر فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو میں دیکھتا ہوں اگر تم

وہ دیکھو تو تم کم ہنسو اور زیادہ گریہ زاری کرو۔ صحابہ رض نے پوچھا حضرت آپ نے کیا دیکھا فرمایا میں نے جنت اور دوزخ دیکھا ہے۔"

حضرت انس رض نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ گھوڑے سے گر گئے۔ آپ کے دائیں پہلو میں خراش آ گئی۔ ہم بیمار پرسی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہیں نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ نے نماز پڑھ لی تو آپ نے فرمایا۔

انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا سجد فاسجدوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلے قاعدا فصلوا قعودا اجمعون اھ (صحیح مسلم ص۱۷۷ ج۱)

"امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم تکبیر کہو، جب سجدہ کرے تم سجدہ کرو، جب امام سر اٹھائے تم سر اٹھاؤ۔ جب امام سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تم رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہو۔ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

فائدہ

امام کے ساتھ مقتدی کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا عمل آپ کی ہنگامی بیماری میں ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری میں حضرت ابوبکر رض نے آپ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

وکان ابوبکر یصلی وھو قائم بصلوۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوۃ ابی بکر والنبی صلے اللہ علیہ وسلم قاعدا (صحیح مسلم ص۱۷۸ ج۱)

"ابوبکر رض کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء فرما رہے تھے۔ لوگ حضرت ابوبکر رض کی اقتداء کرتے تھے اور آنحضرت بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل یہی ہے کہ امام اگر بیٹھا ہو تو مقتدی اس کی اقتدا کھڑے ہو کر کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل زیادہ قابل عمل ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث مذکور کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب امام تکبیر کہہ چکے تو مقتدی اس کے بعد تکبیر کہے۔ جب امام سجدے میں چلا جائے تو تم سجدے میں جاؤ۔ جب امام سر اُٹھا چکے تو تم سر اُٹھاؤ۔ جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکے تو تم ربنا ولك الحمد کہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقتدی کو ہر فعل اس وقت کرنا چاہیئے جب امام وہ کام کر چکے۔ نہ امام سے پہلے جانا چاہیئے نہ اس کے ساتھ بلکہ امام کے بعد وہ رکن ادا کرے۔ متابعت کرے یعنی پیچھے لگے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ارکان کے ادا کرنے میں امام سے سبقت کر رہا تھا فرمایا۔

لا وحدك صليت ولا بامامك اقتديت (صحيح مسلم بحوالہ رسالہ الصلوٰۃ امام احمدؒ)

"نہ تم نے اکیلے نماز پڑھی نہ ہی امام کی اقتدا کی"

نیز عبداللہ بن عمر رض سے منقول ہے کہ۔

انه نظر الى من سبق الامام فقال له ما صليت وحدك ولا صليت مع الامام ثم ضربه وامره ان يعيد الصلوٰة (رسالة الصلوٰة ص۳۵۲ مجموعة الحديث)

"انہوں نے ایک شخص کو امام سے سبقت کرتے دیکھا تو فرمایا نہ تم نے اکیلے نماز ادا کی نہ امام کی اقتدا کی۔ اسے مارا اور کہا نماز لوٹاؤ"

عبداللہ بن عمر رض ایسی نماز کو ناجائز سمجھتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔

قول النبى صلے الله عليه وسلم اذا كبر فكبروا معناه ان تنظروا الامام حتى يكبر ويفرغ من تكبيره وينقطع صوته ثم

تکبرون بعدہ والناس یغلطون فی ھذہ الاحادیث و

یجھلون بما معاعلیہ عامتھم من الاستخفاف بالصلوۃ

والاستھانۃ بھا فساحۃ یاخذ الامام فی التکبیر یاخذون

معہ فی التکبیر وھذا خطاً رسالۃ الصلوٰۃ لاحمد ص۲۵ ؎

؎ اذا کبرو کبروا کا یہ مطلب ہے کہ امام کی تکبیر ختم ہو جائے پھر مقتدی تکبیر کہے۔ لوگ جہالت کی وجہ سے غلطی کرتے ہیں اور نماز کے معاملہ کو ہلکا سمجھتے ہیں۔ امام کے ساتھ ہی تکبیر کہنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ غلطی ہے ؏

امام احمد نے اس مقام پر بڑے بسط سے لکھا ہے کہ امام سے پہلے یا امام کے ساتھ تمام ارکان ادا کرنا غلط ہے۔ امام جب رکوع و سجود میں چلا جائے اور اس کی تکبیر کی آواز ختم ہو جائے تو مقتدی کو اس وقت رکوع و سجود وغیرہ امور شروع کرنے چاہئیں۔

ہمارے ملک میں یہ غلطی عام ہے۔ تمام طبقات یہ غلطی کرتے ہیں۔ اگر سبقت نہ کریں تو امام کے ساتھ ضرور ادا کرتے ہیں حالانکہ یہ صاف حدیث کے خلاف ہے۔ خطرہ ہے کہ نماز ضائع ہو جائے۔

امام کی اطاعت کا شرعاً یہی مطلب ہے کہ یہ تمام ارکان وغیرہ امام پہلے ادا کرے۔ مقتدی اس وقت شروع کرے جب امام رکن میں مشغول ہو جائے۔ حدیث کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے نہ امام سے سبقت درست ہے نہ امام کی معیت بلکہ امام جب رکن میں مشغول ہو جائے اس کے بعد مقتدی امام کے ساتھ شریک ہو۔

اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں تمام ائمہ کے نزدیک اقتدار کی یہی صورت ہے۔ تعجب ہے کہ تمام مکاتبِ فکر اس غلطی میں مبتلا ہیں بریلوی حضرات تو بدعات میں اس قدر محو ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو سنت کی محبت سے خالی کر دیا ہے۔ وہ ہر وقت نئی سے نئی بدعتوں کی تلاش میں پریشان ہیں۔ حضرات اہل حدیث اور دوسرے موحد گروہ بھی اس غلطی میں از اوّل تا آخر مبتلا ہیں۔ اِلَّا مَنْ رَحِمَہُ اللّٰہُ امام احمدؒ کا ارشاد کس قدر درست ہے۔

لو صليت فی مائة مسجد ما رأيت اهل مسجد واحد يقيمون على ما جاء عن النبی صلے اللہ علیه وسلم وعن اصحابه رحمة اللہ علیهم (رسالة الصلوٰة لاحمد ص ۱۵۴)

"آپ سو مسجدوں میں نماز ادا فرمائیں کسی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہؓ کے طریق پر آپ کو نماز نہیں ملے گی"

نماز میں اطمینان

نماز جماعت کے ساتھ ہو یا اکیلے، فرض ہو یا نفل، سنت ہو یا واجب اس کے ادا میں اطمینان بے حد ضروری ہے۔ قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ ہر کام اپنے مقام پر پورے اطمینان اور سکون سے ہو۔ کسی قسم کی بے اعتدالی اور عجلت درست نہیں۔ احادیث میں ہے۔

۱۔ رفاعہؓ بن رافع فرماتے ہیں ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز ادا کی، اس نے رکوع، سجود، قیام، قومہ، قعدہ وغیرہ امور بڑی جلدی ادا کیے۔ ان میں اطمینان نہیں تھا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا دوبارہ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ واقعہ تین دفعہ ہوا کہ اس نے نماز اطمینان کے بغیر پڑھی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم نے نماز نہیں پڑھی پھر پڑھو اس نے عرض کیا میں اس سے بہتر نہیں پڑھ سکتا آپ نے فرمایا پہلے مکمل وضو کرو کہ کوئی اعضا خشک نہ رہے پھر قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ پورے اطمینان اور تسکین سے ادا کرو"

۲۔ عن ابی مسعود البدری رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم قال لا تجزیٔ صلوٰة احدکم حتی یقیم ظهره فی الرکوع والسجود (اصحاب السنن)

"ابو مسعودؓ فرماتے ہیں جب تک رکوع اور سجود میں پشت سیدھی نہ کی جائے نماز درست نہیں ہوگی"

۴۳۔ نعمان رضؓ بن مرہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(اسؤا السرقة الذی یسرق صلاتہ قالوا کیف یسرق صلوٰتہ یارسول اللہ قال لایتم رکوعھا ولاسجودھا (اصحاب السنن)

"بدترین وہ چوری ہے جو نماز میں کی جائے۔ دریافت کیا گیا نماز کیسے چوری ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا جو آدمی رکوع اور سجود پوری طرح ادا نہ کرے"

چاہیئے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جائے دعا اور سورۃ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پورے اطمینان سے پڑھے، پھر رکوع کرے۔ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور پیٹھ بالکل ہموار کرے اور تسبیحات پڑھے پھر سیدھا کھڑا ہو جائے اور قومہ کی دعا پڑھے، پھر سجود میں چلا جائے اور تسبیحات اطمینان سے پڑھے۔ پھر اطمینان سے سیدھا بیٹھ جائے، پھر سجدہ کرے عمر بن عبدالعزیز رحہ، رکوع اور سجود میں عموماً دس تسبیحات پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ رضؓ فرماتے کہ ان کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتی ہے جیسا کہ رکوع کے بیان میں آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجود میں سات اعضاء استعمال فرماتے تھے۔ دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنے اور پیشانی بعض احادیث میں ناک کا ذکر ہے گویا پیشانی اور ناک کا ایک ہی حکم ہے۔ (تیسیر الوصول ص ۲۲۴ جلد ۲)

جلسہ استراحت

پہلی اور تیسری رکعت سے جب اٹھتے تو تھوڑی دیر ٹھہر کر اٹھتے (صحیح بخاری) اسے جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے۔

قابل توجہ فائدہ

نماز کے ارکان ہیئات اور اذکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بتواتر ثابت ہیں۔ اسی طرح تعداد رکعات اور اوقات بھی عملی تواتر سے ثابت ہیں۔ صدیوں یہ طریق امت میں معمول بہ آرہا ہے۔ بعض ضمنی مسائل میں اختلاف پایا گیا ہے۔ ائمہ اجتہاد نے اپنے فہم کے مطابق عمل کے لیے کسی نہ کسی طریق کو اختیار فرمایا ہے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مسلک کی تائید

میں دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ یہ اختلاف بعض مقام پر شدید صورت اختیار کر گیا ہے تاہم ائمہ اجتہاد اور ان کے قدیم اتباع نے اپنے دلائل پر شدید یقین اور عملی پختگی کے باوجود فتوے بازی اور سوقیانہ انداز سے پرہیز فرمایا ہے اور اظہارِ ادلہ اور وجوہ ترجیح کے بیان سے معاملہ آگے نہیں بڑھنے دیا۔ امام ابویوسف، امام محمد، حافظ مزنی، ابن قدامہ وغیرہم رحمہم اللہ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں میں اپنے مسلک پر سخت پابندی کے باوجود ان میں تشدد نہ تھا۔ لیکن جب سے ان مسائل کو تقلید و جمود کی راہوں سے گذرنا پڑا ہے۔ ان میں خاصا شدت اور تیز فتوے بازی نمایاں ہو گئی ہے۔ قدماء اور متاخرین فقہاء کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ فرق نمایاں معلوم ہوتا ہے، اب یہ علم پرور حضرات اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ اقتداء کے عدم جواز کا فتوے اور بدعتی، بے دین، لامذہب کہنے سے بھی پرہیز نہیں فرماتے

فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى۔

اس کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ اس قسم کے غیر معتدل اہل علم مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ اور جمع کلمہ کی کوششیں قریباً ناکام ہو رہی ہیں اور کچھ پیشہ ور سیاست دان ان اختلافات کو اور بھی ہوا دے رہے ہیں۔

یہ اختلافات عموماً اس قدر دیرینہ ہیں کہ کسی تحقیق اور ترجیح کو بھی حرف آخر نہیں کہا جا سکتا اپنے عمل اور تسکین کے لیے تو تحقیق کی راہ کھلی ہے اور کھلی رہنی چاہیئے۔ لیکن اس قدر شدت، کہ مخالف کی تحقیر اور تضحیک ہو۔ کسی طرح بھی مناسب نہیں بلکہ دل کے کسی گوشے میں بھی نفرت اور سوء ظن کو جگہ نہیں دینی چاہیئے جیسے خود ائمہ اجتہاد اور ان کے عام تلامذہ کی روش سے ظاہر ہے۔ ائمہ اجتہاد کے اختلافات میں کئی مقامات پر یہ اختلافات حرام و حلال، جائز و ناجائز، پاک اور پلید کی حد تک بھی پہنچ گئے۔ لیکن تکفیر تک نوبت نہیں پہنچی تھی۔ زیرِ قلم گذارشات کا تعلق نماز کے مسائل سے ہے اس لیے مسلکِ اہلحدیث کے میں جو صورت راجح اور صحیح ہے اس کا تذکرہ مختصر طور پر ہوگا۔ کسی دوسرے کی تحقیر و تفسیق مدنظر نہیں بلکہ صرف مسلک کی صحت اور بعض غلط فہمیوں کا ازالہ ہے۔ جو بعض کم سواد اور غلط کار لوگوں نے پھیلا دی ہیں۔

زبان سے نیّت کرنا

لغت عربی کے اعتبار سے نیّت دل کا فعل ہے النیة عزم القلب (منجد) نیت کے
معانی دل کا قصد وارادہ ہے اگر زبان سے بولے تو قول ہوگا نیّت نہیں ہوگی، عام لوگ نماز سے
پہلے زبانی نیّت کرتے ہیں جو باتفاق ائمہ اسلام منع ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے فرمایا:

فان الجهر بالنية لا يجب ولا يستحب لا فى مذهب ابى حنيفة ولا احد من ائمة المسلمين بل كلهم متفقون على انه لا يشرع الجهر بالنية ومن جهر بالنية فهو مخطئ مخالف للسنة باتفاق ائمة الدين (فتاوىٰ ابن تيمية ص۲۷۵ ج۲)

وہ آواز سے نیت کرنا نہ واجب ہے نہ مستحب۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ یہ درست نہیں جو اُونچی آواز سے نیّت کرے وہ سنّت کا مخالف ہے۔"

زبان سے کہنے کی بجائے یہ ارادہ دل میں کرنا چاہیئے۔ نماز شروع کرتے وقت تکبیر
تحریمہ کے علاوہ کوئی لفظ زبان سے نہیں کہنا چاہیئے۔

صف بندی

نمازیں مل کر کھڑے ہونا چاہیئے۔ امام کو چاہیئے کہ وہ صفوں کی درستگی کا جائزہ لے
صفیں سیدھی ہوں، نمازی ممکن طور پر ایک دوسرے سے پاؤں ملائیں، کندھے کندھوں
کے برابر کریں اور جہاں تک ہو سکے صفوں میں ٹھنگا فسے بند کیے جائیں۔ ہمارے ملک میں
رواج ہوگیا ہے نمازی الگ الگ کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایک بالشت یا اس کے
پس وپیش فرق رکھنا ضروری سمجھتے ہیں یہ خلاف سنّت ہے۔

عن انس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ

من وراء ظهری وکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ (صحیح بخاری ص۱۰۰ ج ۱، معالم السنن خطابی ص۳۳۲ ج ۱)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوں کو درست کرو میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں (لوگ اس حکم کی تعمیل کے لیے) کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملاتے تھے۔"

عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اَقِیمُوا صُفُوفَکُم وَحَاذُوا بَینَ المَنَاکِبِ وَسُدُّوا الخَلَلَ وَلِینُوا بِاَیدِی اِخوَانِکُم وَلَا تَذَرُوا فُرُجَاتٍ لِلشَّیطَانِ مَن وَصَلَ صَفًّا وَصَلَہُ اللہُ وَمَن قَطَعَ صَفًّا قَطَعَہُ اللہ (معالم السنن ص۳۳۲ ج ۱، جمع الفوائد ص۲۲۵)

"ابن عمرؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیں سیدھی کرو، کندھے برابر کرو۔ سوراخ بند کرو۔ جب ساتھی ملانے کی کوشش کرے تو ڈھیلے پڑ جاؤ شیطان کے لیے کوئی سوراخ نہ چھوڑو، جو صف کو ملائے اللہ تعالےٰ اس کو ملا دے گا جو اسے توڑے اللہ اسے قطع کر دے گا۔"

اس مضمون کی احادیث کثرت سے مروی ہیں گویا صفیں ملانے سے دلوں کے بُعد دور ہو سکتے ہیں۔

فقہ حنفیہ نے بھی صراحت فرمائی ہے کہ صف میں مل کر کھڑے ہونا چاہیئے الدر المختار بہامش الشامی جلد اص ۵۹۳ میں ہے۔

(ویصف) ای یصفھم الامام بان یأمرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا مناکبھم اھ

"امام صفیں سیدھی کرنے کا حکم دے کہ لوگ مل کر کھڑے ہوں اسوراخ بند کریں، کندھوں کو برابر کریں۔"

عام لوگ صف بندی میں تنگ دلی سے کام لیتے ہیں۔ پاؤں ملا کر کھڑے ہونا ناپسند کرتے ہیں۔ پاؤں ملایا جائے تو کھسکنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور بعض پاؤں ملانے پر اصرار

ر کے تعاقب شروع کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں آدابِ نماز کے خلاف ہیں۔ توجہ اور خشوع
ں نقص ہوتا ہے۔ یہ اختلافی مسئلہ نہیں تمام ائمہ کے نزدیک مل کر کھڑے ہونا سنت ہے۔
علامہ کاشانی (۵۸۷ھ) فرماتے ہیں۔

واذا قاموا فی الصفوف تراصوا وسووا بین مناکبھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تراصوا وصفوا المناکب بالمناکب اھ (البدائع ص۱۵۹ ج۱)

"جب کھڑے ہوں صفیں ملائیں، کندھے برابر کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ملاؤ اور کندھے ملاؤ۔"

غرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مل کر کھڑے ہونا چاہیئے۔

تعجب ہے کہ صفیں ملانے اور نمازیں مل کر کھڑے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں مگر اکابر علماء احناف کی مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ نمازی مل کر نہیں کھڑے ہوتے۔ کوئی آدمی دوسرے سے پاؤں نہیں ملاتا نہ ہی امام اس کی تلقین کرتا ہے۔ اگر کوئی توجہ دلائے کہ پاؤں ملا کر کھڑے ہونا چاہیئے تو اسے ناپسند کرتے، بُرا مانتے اور ناپسندیدہ القاب سے یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ صفوں کی درستگی سے نماز مکمل ہوتی ہے۔

بعض کم علم لوگ کہتے سنے گئے ہیں کہ صف میں بالشت بالشت کے فرق سے کھڑے ہونا چاہیئے۔ بعض چار چار انگشت کا فرق بتلاتے ہیں مگر حدیث میں تو یہ نہیں ہے۔ فقہ کی کسی مستند کتاب میں بھی یہ وضاحت نہیں پائی گئی۔ اس لیے سنت سے محبت رکھنے والے دین پسند حضرات سے گذارش ہے کہ صفوں کو درست کریں۔ جہاں تک ہو سکے درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب ان رخنوں کی وجہ سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ شیطان دلوں پر مسلط ہوتا ہے۔ نماز میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ خیالات کی پراگندگی ذہن میں تشویش پیدا کر دیتی ہے۔ نماز بے لطف ہو کر رہ جاتی ہے۔ عافانا اللہ من ذٰلک۔



رفع یدین یعنی نماز میں ہاتھ اٹھانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے۔ جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے، رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ہاتھ اٹھاتے اسے عموماً رفع یدین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عمل مسنون ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہمیشہ عمل فرمایا ہے۔ جب درمیان کے تشہد سے تیسری رکعت کے لیے اٹھتے اس وقت بھی ہاتھ اٹھاتے۔ فقہاء عراق میں اس کا رواج نہیں۔ احادیث کے مطابق فقہاء عراق کا مسلک بے حد کمزور ہے۔ کوئی صحیح صریح حدیث اس مسلک کی تائید میں نہیں ملتی۔ ائمہ حدیث کے مسلک کی تائید میں بکثرت صحیح احادیث موجود ہیں۔

عنؐ عبداللہ بن عمر قال رأیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم افتتح التکبیر فی الصلوۃ فرفع یدیہ حین یکبر حتی یجعلہما حذو منکبیہ واذا کبر للرکوع فعل مثلہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فعل مثلہ واذا قال ربنا ولک الحمد فعل مثلہ ولا یفعل ذلک حین یسجد ولاحین یرفع راسہ من السجود۔

(سنن کبری ص۶۸ ج۲، ابوداؤد ص۱۶۳ ج۱، صحیح بخاری ص۱۰۲ ج۱، جمع الفوائد ص۹۰ ج۱، صحیح مسلم ص۱۶۸ ج۱، ترمذی طبع مصر ص۳۵ ج۲)

"عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کو دیکھا جب شروع نماز میں تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ ہی کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور سجود میں کسی مقام پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔"

عنؑ ابی قلابۃ انہ رأی مالک بن الحویرث اذا صلے کبر ورفع یدیہ واذا اراد ان یرکع رفع یدیہ واذا رفع راسہ من

الرکوع رفع یدیہ وحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع ھٰکذا (صحیح بخاری ص۱۰۲ ج۱، جمع الفوائد ص۱۹۱ ج۱، صحیح مسلم ص۱۶۸، سنن کبریٰ بیہقی ص۷۱ ج۲)

"ابو قلابہ فرماتے ہیں میں نے مالک بن حویرث کو دیکھا جب نماز شروع کرتے ہاتھ اُٹھاتے جب رکوع کا ارادہ کرتے تو ہاتھ اُٹھاتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو ہاتھ اُٹھاتے اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے"

عن مالک بن الحویرث قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ اذا کبر واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع حتی یبلغ بھا فروع اذنیہ (ابوداؤد ص۱۰۷ ج۱، جمع الفوائد ص۱۹۲ ج۱)

"مالک رضی اللہ عنہ بن الحویرث سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ جب تکبیر کہتے تو ہاتھ اُٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے تو کانوں تک ہاتھ اُٹھاتے"

عن وائل بن حجر قال قلت لانظرن الی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف یصلی فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستقبل القبلۃ فکبر فرفع یدیہ حتی حاذتا اذنیہ ثم اخذ شمالہ بیمینہ فلما اراد ان یرکع رفعھما مثل ذالک ثم وضع یدیہ علی رکبتیہ فلما رفع راسہ من الرکوع رفعھما مثل ذلک الخ (ابوداؤد مع عون ص۲۶۴ ج۱، سنن کبریٰ بیہقی ص۷۱ ج۲)

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنے کا فیصلہ کیا آپ روبقبلہ کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہی اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے پھر دونوں ہاتھ باندھے، جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھ اُٹھائے۔ پھر انہیں گھٹنوں پر رکھا۔ پھر رکوع سے سر اُٹھایا تو اسی طرح ہاتھ اٹھائے"

عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ

کان اذا قام الی الصلوۃ المکتوبۃ کبر ورفع یدیہ حذو منکبیہ ویصنع مثل ذالک اذا قضی قراءتہ واراد ان یرکع ویصنعہ اذا رفع راسہ من الرکوع ولا یرفع یدیہ فی شیٔ من صلوتہ وھو قاعد واذا قام من السجدتین رفع یدیہ کذلک وکبر (ابو داؤد مع عون ص۲۷۱ ج۱)

"حضرت علی رض نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فرضی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھاتے اور جب قراءۃ ختم کرکے رکوع جاتے تو اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو یہی کرتے اور بیٹھنے کی حالت میں کہیں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ اور جب دو رکعت سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے"

عن وائل بن حجر قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الشتاء فرأیت اصحابہ یرفعون ایدیھم فی ثیابھم فی الصلوۃ۔ (ابو داؤد ص۱۰۵ ج۱، جمع الفوائد ص۱۹۱ ج۱)

"وائل بن حجر رض فرماتے ہیں میں سردیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے صحابہ رض کو دیکھا کہ وہ کپڑوں کے نیچے رفع الیدین کرتے تھے"

ابو داؤد کی روایت میں ہے۔

ثم جئت بعد ذلک فی زمان فیہ برد شدید فرایت الناس علیھم جل الثیاب تحرک ایدیھم تحت الثیاب اھ

"وائل فرماتے ہیں میں دوبارہ سخت سردی میں آیا۔ لوگوں پر بھاری کپڑے تھے ان کے نیچے رفع الیدین کرتے تھے" (ابو داؤد مع عون ص ۲۶۵ جلد۱)

ان مندرجہ بالا احادیث سے ظاہر ہے کہ رفع الیدین چار جگہوں میں سنت ہے۔

۱۔ نماز کے شروع میں۔

۲۔ رکوع جاتے وقت

۳۔ رکوع سے سر اُٹھاتے ہوئے۔

۴۔ اور جب دو رکعتوں سے تشہد کے بعد کھڑا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخر عمر تک اس پر عمل فرماتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کے آخر میں بعض رواۃ نے یہ تصریح کی ہے۔ فمازالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ (التلخیص الحبیر ص۸۱، ذیلعی ص۲۱۲ ج۱ بحوالہ بیہقی)

ویسے بھی حضرت وائل بن حجرؓ غزوہ تبوک کے بعد ۹ھ میں مسلمان ہوئے (عینی علی بخاری ص۹ جلد۳، البدایہ والنہایہ ص۷۵ جلد۵)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئندہ سال دوبارہ تشریف لائے۔ اس وقت تیز سردی کا موسم تھا۔ حضرت وائلؓ نے صحابہ کو کپڑوں کے نیچے رفع الیدین کرتے دیکھا۔ یہ ۱۰ھ کے آخری مہینے تھے۔ اس وقت تک رفع الیدین منسوخ نہیں ہوئی تھی۔ عام صحابہؓ کا معمول تھا جسے ایک نووارد صحابیؓ نے دیکھا جو نماز سیکھنے کے لیے آیا تھا۔ اس کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ نسخ کے لیے ضروری ہے کہ ناسخ حضرت وائل کی دوسری دفعہ کی آمد کے بعد ثابت ہو۔

ان واقعات کی موجودگی میں امام بیہقی کی زیادت پر بلحاظ سند بحث کی ضرورت نہیں حافظ ابن حجرؒ تو شافعی ہیں لیکن حافظ زیلعیؒ بڑے پختہ کار حنفی محدث ہیں انہوں نے بھی تخریج ہدایہ میں اس پر کوئی جرح نہیں کی اس لیے آج کل کے بعض حنفیہ کا اسے موضوع کہنا تعصب ہے اور جرأت حضرت وائلؓ کی یہ روایت جو ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے اس کی عملی اور واقعاتی تائید ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کے متعلق علی بن مدینی کا یہ ارشاد بالکل درست ہے۔

ھذا الحدیث عندی حجۃ علی الخلق کل من سمعہ فعلیہ ان یعمل بہ لانہ لیس فی اسنادہ شیئ ۱ھ (التلخیص الحبیر ص۸۱)

"یہ حدیث تمام دنیا پر حجت ہے۔ ہر آدمی کو اس پر عمل کرنا چاہیئے اس لیے کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے"

صحابہ رضہ کی بڑی اکثریت رفع الیدین کی قائل اور عملاً پابند تھی۔ مولانا عبدالحیؒ نے فرمایا۔

ان رواۃ الرفع من الصحابۃ جم غفیر وروا الترک جماعۃ قلیلۃ مع عدم صحۃ الطرق عنہم الا ابن مسعود اھ مختصرا (التعلیق الممجد ص۹۱)

"رفع الیدین کے راوی صحابہ رضہ بہت بڑی جماعت ہیں اور ترک رفع کے راوی بہت کم ہیں اور ان کی اسانید بھی عبداللہ بن مسعود رضہ کی حدیث کے علاوہ صحیح نہیں"

یہ گذارشات مناظرانہ نہیں تفصیل کے لیے فتح الباری، نیل الاوطار، التلخیص الحبیر، تخریج ہدایہ زیلعی اور التعلیق الممجد کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس کے خلاف بنیادی طور پر بعض عذر کیے گئے ہیں۔ علامہ حصکفی نے مسند ابی حنیفہ ص ۱۹ میں رفع الیدین کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک مناظرہ منسوب فرمایا ہے۔ جس میں اوزاعی رحہ نے حضرت ابن عمر رضہ کی حدیث مع سند ذکر فرمائی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی سند حماد عن ابراھیم النخعی عن علقمہ بن الاسود عن عبد اللہ بن مسعود سے ذکر فرمائی اور ترجیح کی وجہ اپنے رواۃ کا تفقہ ظاہر فرمایا آخر میں فرمایا اوزاعیؒ چپ ہوگئے)۔

اگر مناظرہ کی یہ روایت صحیح بھی مان لی جائے تو قطع نظر اس سے کہ تفقہ اصولاً بھی وجہ ترجیح ہے یا نہیں یہاں پر تفقہ کا تذکرہ اپنے بزرگوں اور اساتذہ پر صرف حسن ظن ہے ورنہ دوسری سند بھی تفقہ میں کسی طرح اس سے کم نہیں اور علو سند اس کے علاوہ ہے۔ اس میں اوزاعیؒ کی خاموشی کی کوئی وجہ نہیں الا یہ کہ امام اوزاعیؒ نے یہ سمجھا ہوگا کہ یہ مسئلہ فن کے لحاظ سے خارج از بحث ہے اور اپنے اساتذہ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد، پھر یہ حدیث بیسیوں دوسرے فقہاء صحابہ رضہ سے مروی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں پھر ایک دوسرا مناظرہ حضرت امام رحہ کا عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی ہوا کہ ابن المبارکؒ

نے رفع الیدین کی، امام صاحبؒ نے فرمایا کیا تم اڑنے لگے تھے؟ عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کیا شروع نماز میں تمہارا بھی اڑنے کا خیال تھا؟ امام صاحبؒ خاموش ہو گئے۔ وکیع فرماتے ہیں، عبداللہ بن مبارک بڑے حاضر جواب تھے۔ (بیہقی ص ۸۲ جلد ۲)

لیکن یہ محض سطحی قسم کی ایک بات ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضا ایسے پرہیزگار اور عالم کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے ہمیں تو جھجک محسوس ہوتی ہے۔ اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ ترکمانی فرماتے ہیں اس کے رجال پر غور کرنا چاہیئے۔

تیسرا مناظرہ اسی مسئلہ پر امام اوزاعیؒ اور امام سفیان ثوریؒ میں ہوا۔ امام اوزاعیؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ذکر فرمائی۔ سفیان ثوری نے۔ براء بن عازب کی حدیث بروایت یزید بن ابی زیاد ذکر فرمائی۔ سفیان ثوری کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا اگر تمہیں یہ طریق مناظرہ ناپسند ہے تو آؤ مباہلہ کر لو (بیہقی ص۸۲ ج ۲ و محاسن المساعی فی مناقب الامام ابی عمر الاوزاعی لتقی الدین عبد الرحمان الخطیب ص۶۲)

اس میں امام سفیان ثوریؒ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے۔ مصنف فرماتے ہیں۔

وکان الاوزاعی یری وجوب الرفع فی افتتاح الصلوٰۃ وعند الرکوع والرفع منہ اھ (محاسن ص۶۴)

"اوزاعی ان تین مقامات پر رفع الیدین کو واجب سمجھتے تھے۔"

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی دلیل محدثانہ معیار کے مطابق بالکل بے وزن تھی۔ امام اوزاعیؒ یسا یگانۂ روزگار اس پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ انہوں نے امام سفیانؒ کی روش کو غلطی پر اصرار تصور کیا اور مباہلہ کی دعوت دے دی۔ فروعی مسائل پر مباہلہ یا ملاعنہ اکابر امت کا شیوہ نہ تھا۔ لیکن امام ثوریؒ کا یزید بن ابی زیاد کی روایت سے زہری عن سالم کے بالمقابل پیش کرنا ایک ماہر فن کے لیے تعجب کے علاوہ اصرار کے مرادف تھا۔ اس لیے امام اوزاعیؒ مباہلہ کے لیے تیار ہو گئے۔

واضح رہے کہ امام اوزاعیؒ حمیدی وغیرہ ائمہ سنت رفع الیدین کو واجب جانتے تھے۔

امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء اہلحدیث اسے سنّت سمجھتے ہیں۔

"فقہ راوی" "نظر" "نیچر" "درایت"

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دونوں روایات میں تطبیق کی بجائے فقہ راوی کی بنا پر ترجیح کی کوشش فرمائی ہے۔ امام طحاویؒ معانی الآثار میں ترجیح کے لیے نظر کا لفظ استعمال فرماتے ہیں سرسید، پرویز قسم کے لوگ احادیث کی زد سے بچنے کے لیے نیچر کا لفظ استعمال فرماتے ہیں آج کے ابناء دیوبند اور بعض کھلے ذہن کے ارباب تقلید مثلاً مولانا شبلی نعمانی وغیرہ ایسے موقع پر درآیت کی پناہ لیتے ہیں۔ فی الجملہ روایات کے فہم تطبیق و ترجیح میں عقل و بصیرت اور فہم و فراست کی ضرورت یقینی ہے لیکن اس کے استعمال میں جس احتیاط کی ضرورت ہے وہ صرف فقہاء محدثین کے حصّہ میں آئی ہے۔ اُن حضرات نے اسے جس پیمانہ سے ناپا ہے اسی سے عقل اور دین کی آبرو قائم رہی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ۔ (شورٰی)

"یعنی اللہ جس نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا اور میزان کو"

میزان سے یہی قوّت مراد ہے جس سے مختلف اور متعارض مسائل میں حد اعتدال قائم کی جاتی ہے۔ فقہاء حدیث کو اس سے حظ وافر ملا ہے وہی اس کا صحیح استعمال فرما سکے ہیں۔

متأخرین حنفیہ اور منکرین سنّت نے اس سے اندھے کی لاٹھی کا کام لیا ہے نہ صرف سنّت پر بلکہ قرآن عزیز پر بھی انہوں نے اس درایت مخترعہ کی حکومت قائم کردی۔ منکرین سنّت اور نیچر پسند حضرات نے اس ہتھیار سے سنّت اور احادیث نبویہ اور معجزات پر یورش فرما کر قتل عام کا کام لیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہر حال فقہ راوی کے عنوان سے اس حدیث کو ترجیح دی جو اُن کے مسلک کے مطابق تھی۔ گویہ بالکل بے محل ہے۔ معلوم ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ فقہاء صحابہؓ، خلفاء راشدین اور باقی مبشر بالجنت صحابہؓ بھی اس کے

راوی ہیں جن کے سامنے حماد رح اور نخعی رح کی تفقہ کی کوئی حیثیت نہیں البتہ عبداللہ بن مسعود صحابی ہیں۔ غالباً یہ روایات اور یہ روایت اس وقت حضرت امام رحمہ اللہ کی نظر میں نہیں۔ تھے ورنہ حضرت امام جیسے دانشمند، متدین اور متقی بزرگ کبھی فقہ راوی کو بطور سند پیش نہ فرماتے۔ تاہم حضرت امام نے حدیث کو ترجیح دی ہے کسی قول، کسی قیاس، کسی بزرگ کی رائے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے فقہ راوی کا استعمال نہیں فرمایا۔ رحمہ اللہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

حافظ طحاوی جہاں وانظرفیہ کہہ کر بعض احادیث کو ترجیح دینے کی کوشش فرماتے ہیں وہاں یہ ترجیح بلحاظ حدیث نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ فلاں امام کے قول کے مطابق ہے گو امام طحاوی حضرت امام ابو حنیفہ رح کے علاوہ امام ابو یوسف امام محمد رح کے اقوال کو بھی بسا اوقات پسند فرما لیتے ہیں وہ شخص کے نہیں بلکہ مخصوص اشخاص کے مقلد ہیں مگر نظر کا استعمال مقصد کے لحاظ سے پست ہو گیا حدیث کی حمایت بظاہر اس لیے کی گئی کہ اس سے کسی بزرگ کی رائے کی حمایت ہوتی تھی۔ ائمہ اجتہاد کی یہ عادت نہ تھی۔

اب ہمارے دور کے مقلد حضرات متاخرین فقہاء کی حمایت اس انداز سے فرماتے ہیں کہ صحیح احادیث کے متعلق قتل عام کا شبہ ہوتا ہے کہ مجتہد اور فقیہہ کا قول بنفسہ اپنی جگہ پر قائم ہے اور حدیث کو تاویل کے شکنجہ میں کسا جا رہا ہے۔ ائمہ اجتہاد اگر زندہ ہوتے تو اس روش کو کبھی پسند نہ فرماتے بلکہ سختی سے اس کی مخالفت فرماتے۔ ہمارے زمانہ میں درایت سے کسی سنت کی حمایت مقصود نہیں بلکہ درایت کو سنن صحیحہ کے ذبح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اسی سے منکرین سنت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر اب یہ فرمایا جانے لگا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول بھی مرمت کے قابل ہیں تاکہ وہ وقت کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ موضوع تفصیل طلب ہے۔ ضرورۃً اسے مختصر گذارش کیا گیا جب تک اس درایت کو لگام نہیں دی جائے گی۔ انکارِ حدیث کے لیے چور دروازے کھلتے جائیں گے۔

مناسب یہ ہے کہ قرآن و سنت کو مستقل حاکم سمجھتے ہوئے اسے فقہ و درایت سے بالا رکھنا چاہیئے۔ اگر ضرورت ہو تو اقوال ائمہ اور مذاہب فقہاء کی تاویل کر لی جانی چاہیئے۔

لیکن قرآن و سنت کو ان مصنوعی کسوٹیوں پر نہیں رکھنا چاہیئے۔

حاصل یہ کہ جب سنّتِ صحیحہ میں چاروں مقامات پر رفع الیدین ثابت ہے تو فقہ راوی کی بحث بے محل ہے۔ ایک پاک باز اور متقی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع الیدین کرتے دیکھا ہے اور مشاہدہ اور بصیرت سے ان مواقع کا تعیّن کیا ہے۔ جہاں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع الیدین کرتے دیکھا ہے تو اب اس پر فقہ راوی کو مسلّط کرنے کی بجائے یہ سوچنا چاہیئے کہ ممکن ہے عدم رفع کا راوی کسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمل کرتے دیکھ ہی نہ سکا ہو یا اس کو نسیان تو نہیں ہوا شاید وہ بھول ہی گیا ہو۔ سامنے نظر آنے والی چیزوں میں فقہ راوی کی بحث بالکل بے سود ہے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت امامؒ نے ایسا نہیں کیا ہو گا۔ یہ بھی دوسرے دونوں مناظروں کی طرح بے سند ہو گا اور بے ثبوت۔ امام کا مقام اس سے بہت ارفع ہونا چاہیئے کہ وہ ان مصنوعی پیمانوں میں حدیث کو ناپیں۔[1]

---

[1] مناظرہ امام واوزاعی کو علامہ خصکفی اگر مسند ابوحنیفہ میں ذکر نہ فرماتے تو دوسرے دونوں مناظروں کی کی طرح اسے بھی نظر انداز کر دیا جاتا۔ یہاں حضرت علامہ ملّا علی قاری رحہ نے اس مناظرہ سے عجیب استدلال فرمایا ہے۔۔

فمن زعم ان ما ادرکہ البخاری من صحیحہ فی بابہ لم یبلغ ابا حنیفۃ واصحابہ خرج عن حد الانصاف ودخل فی باب الاعتساف (مسند ابی حنیفہ، خصکفی مع شرح علی قاری ص۱۱)

"جس شخص کا یہ خیال ہو کہ حضرت امام ابو حنیفہ رہ کو عبداللہ بن عمر کی حدیث کا علم نہیں تھا۔ وہ انصاف پسند نہیں بلکہ وہ ظالم ہے۔"

علامہ علی قاری رحہ کے ارشاد کی صحت کو قبول کرتے ہوئے کوئی اہم نکتہ ظاہر نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہو گا کہ عبداللہ بن مسعود رض کی حدیث حضرت امام کو معلوم تھی اور عبداللہ بن عمر رض کی روایت کی اطلاع امام اوزاعی نے دی۔ اس کے علاوہ رفع الیدین کی حدیث قریباً پچاس صحابہ رض سے مروی ہے۔

رفع الیدین کا نسخ

غالباً کچھ عرصہ تک فقہ راوی کی شرط فقہائے حنفیہ رہ کے ذہنوں پر چھائی رہی اور رفع الیدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جس میں اجلہ صحابہ، خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ اور مجتہدین صحابہ رض شامل ہیں۔ یہ تمام احادیث تو حضرت امام کی نظر میں نہ تھیں کیونکہ حضرت امام نے امام اوزاعی کے جواب میں فرمایا تھا۔

لاجل انہ لم یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ شئ

(مسند ابوحنیفہ مع شرح ص۱۹)

"رفع الیدین کے متعلق کوئی حدیث صحیح ثابت ہی نہیں"

اب اگر امام اوزاعی کی اطلاع سے ایک حدیث کا علم ہو بھی گیا تو اس اعتراض میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا فرمن المطر وقام تحت المیزاب کی مثال ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر فقہ و درایت دوسروں پر طنز و طعن کے لیے استعمال نہ ہوتی تو درایت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مناظرہ کا بھی انکار کر دیا جائے اور رفع الیدین کو قبول کر لیا جائے۔ فقہاء حنفیہ رہ کا موقف اس مسئلہ میں انتہائی کمزور ہے جو حدیث صریح ہے صحیح نہیں جو صحیح ہے صریح نہیں۔

امام طحاوی نے وائل بن حجر رض کی حدیث کے جواب میں بڑے زور سے فرمایا۔

ان راٰہ وائل مرۃ فقد راٰہ عبد اللہ خمسین مرۃ (معانی الآثار)

"یعنی اگر وائل رض نے آنحضرت کو ایک دفعہ رفع الیدین کرتے دیکھا ہے تو عبداللہ بن مسعود رض نے آنحضرت کو پچاس دفعہ دیکھا کہ آپ ایک ہی دفعہ رفع الیدین کرتے تھے۔"

طحاوی کی پوری عبارت بلفظہٖ حافظ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری ص ❚ جلد ۳ میں نقل فرمائی اور ابراہیم نخعی رہ کے مقطوع اثر کا خاص طور پر ذکر فرمایا یہی حال حافظ زیلعی کا ہے۔ (تخریج ص ۲۱ج ا بلد ا) اور اکثر علماء احناف کا یہی انداز ہے کہ بیچارے وائل رض بن حجر کا نام سنتے ہی ناراض ہونا اور بگڑنا شروع کر دیتے ہیں اور عبداللہ بن مسعود رض کے ایمان کی تقدیم کا تذکرہ شروع فرما دیتے ہیں۔ حافظ

پر ترک رفع کو ترجیح دیتے رہے، لیکن محدثین نے جب احادیث کی بڑی تعداد اس باب میں جمع فرمادی۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضہ اپنے دور کے فقیہ اور مجتہد اس کے راوی ہیں اور اس طرح دلیل کی کمزوری ان پر واضح ہو گئی تو وہ اپنے مسلک کی کمزوری اور اس خلار کو پورا کرنے کی فکر کرنے لگے جسے فقہاء محدثین نے پیدا کر دیا تھا اب انہوں نے غور و فکر کے بعد فرمایا کہ ترجیح کی ضرورت نہیں رفع الیدین سرے سے منسوخ ہے۔ غالباً اس کے سرخیل یا موجد امام طحاوی (۳۲۸ھ) ہیں۔ معانی الآثار میں انہوں نے آثار کا خاصا ذخیرہ ذکر فرمایا۔ ہے مگر عجیب یہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب کے اس مناظرے کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ نہ فقہ راوی کی بحث کی چھیڑی ہے جس کا علامہ حصکفی مسند ابی حنیفہ رضہ اور علی قاری نے اس کی شرح میں ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے نسخ کے متعلق دو اثر ذکر فرماتے ہیں ایک حضرت علی رضہ کا دوسرا عبداللہ بن عمر رضہ کا (معانی الآثار ص ۱۳۲ ا جلد ا عینی ص ۸ جلد ۳ مرقات ص ۲۵۵، جلد ۲ طبع جدید)

تیسرا اثر حافظ بدرالدین عینی نے عبداللہ بن زبیر رضہ سے بلا حوالہ ذکر فرمایا۔ عبداللہ

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) عینی فرماتے ہیں:

"وہ وائل سے بارہ سال پہلے مسلمان ہوئے"

اگر استدلال کا یہ طریق صحیح سمجھ لیا جائے تو رفع الیدین کی حدیث کے رواۃ سے حضرت ابوبکر رضہ عمر رضہ، عثمان رضہ، علی رضہ، ابن مسعود رضہ سے بھی برسوں پہلے مسلمان ہوئے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ سب عصبیت کی کارفرمائی ہے۔ عفا اللہ عنہا وعنہم

رفع الیدین کے متصل ہی حافظ طحاوی رحمہ اللہ نے نماز میں تطبیق (یعنی رکوع میں دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان رکھنے) کا ذکر فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر گھٹنوں میں رکھتے تھے حالانکہ یہ عمل منسوخ تھا۔ معلوم نہیں عبداللہ بن مسعود کو اس کا علم برسوں کیوں نہ ہو سکا۔ وائل بن حجر اور بعض دوسرے صحابہ رضہ کے ارشادات اس کے خلاف ہیں۔ وہاں چونکہ حضرت امام ابوحنیفہ رح، عبداللہ بن مسعود رضہ کی حمایت میں نہیں بلکہ وائل بن حجر کی حدیث حضرت امام کے موافق ہے اس لیے پورے سکون و

بن عمرؓ کے اثر کو حافظ عینی صحیح فرماتے ہیں مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کا ذکر کر کے بحوالہ خلافیات، امام بیہقی فرمایا ھو مقلوب موضوع (اس کے الفاظ مقلوب ہیں اور یہ اثر موضوع ہے)۔ (تلخیص ص ۸۲)

باقی آثار کو بھی موضوع فرمایا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اثر کے متعلق حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں۔

لا اصل له ولا يعرف من رواه والصحيح عن ابن الزبير خلافه

قال ابن الجوزی وما ابله من يحتج بهذه الاحاديث ليعارض

بها الاحاديث الصحيحة الثابتة اھ (تلخیص ص ۸۳)

"ابن زبیرؓ کا اثر بے اصل ہے معلوم نہیں یہ کہاں سے آیا۔ جو لوگ ان موضوع آثار سے صحیح احادیث کا مقابلہ کرتے ہیں بڑے کند ذہن ہیں"

حقیقت بھی یہی ہے کہ صحیح احادیث کے بالمقابل ان آثار کے سہارے اپنے مسلک کو ترجیح دینا غائت درجے کی سینہ زوری ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء عراق کا مسلک بے حد کمزور ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث مالی اراکم رافعی ایدیکم کانہا اذناب خیل شمس (ص ۱۸۱ ج ۱) یعنی "مجھے تعجب ہے کہ تم گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھاتے ہو" آخری سلام کے متعلق ہے لیکن اس کے بعض طرق میں اختصار کے سبب سلام کا ذکر نہ آیا تو اسے رفع الیدین فی الرکوع پر سینہ زوری سے چسپاں کر دیا گیا۔ امام بخاریؒ کو اس مقام پر تعجب کے طور پر یہ آیت ذکر کرنا پڑی۔

فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او

يصيبهم عذاب اليم (جزء رفع اليدين)

"یعنی احادیث میں اس طرح قطع و برید کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اطمینان سے اس مؤخر الایمان یمنی شہزادے کی حدیث قبول فرمائی گئی۔

العجب منہم رحمہم اللہ

چاہیئے:

حافظ عینی اور حافظ طحاوی کا رجحان نسخ کی طرف رہا لیکن اس میں کوئی شک نہ تھا نسخ کیلئے ضروری ہے کہ ناسخ منسوخ سے متاخر ہو اور یہاں حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث سنہ ۱۰ھ کے قریب ہے جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لیے نسخ کا کوئی امکان ہی نہیں۔ پھر فقہ راوی اور نسخ کے دلائل کی کمزوری محسوس فرماتے ہوئے ترک رفع کے لیے دوسرے معاذیر کی تلاش فرمائی گئی۔

مولانا محمود الحسنؒ کا نکتہ

اب دلائل کی بجائے چٹکلوں پر زور صرف ہو رہا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب نے اپنی مایۂ ناز کتاب ایضاح الادلہ میں پہلے دونوں نظریات ترک کر کے ایک نیا نکتہ پیدا فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"رفع الیدین منسوخ تو نہیں لیکن اس کا دوام ثابت نہیں ہوتا"

حضرت مولانا کی علمی بصیرت مسلم ہے اور ان کی جلالت قدر بھی معلوم ہے لیکن آخر یہ کیا دلیل ہے کہ سنت پر عمل کے لیے اس کا دوام ضروری ہے۔ پہلی رفع الیدین، قنوت کے لیے رفع الیدین، عید کی تکبیروں میں رفع الیدین کے لیے دوام کا کوئی ثبوت میسر آسکتا ہے؟ تمام سنن نبویہ کے متعلق اگر لفظ دوام کی صراحت کا مطالبہ کیا جائے تو شائد کسی بھی سنت کا ثابت ہونا مشکل ہو جائے۔

پھر اگر دوام ثابت ہو جائے تو امام اوزاعیؒ کی رائے کے مطابق اسے واجب کہنا چاہیئے اس قلت علم اور شیوع تقلید کے دور میں دیوبند کے طالب علم اس چٹکلے پر مطمئن ہو گئے ہوں گے حالانکہ حضرت الشیخ کا مقام ان چٹکلوں سے بہت ارفع ہے انہیں اعتراف فرمانا چاہیئے تھا کہ واقعی فقہاء عراق کا مسلک اس مسئلہ میں کمزور ہے۔

مولانا انور شاہ کی "توجیہ"

اس کے بعد حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے اس مسئلہ پر طبع آزمائی فرمائی۔ آپ نے مولانا محمود الحسنؒ صاحب کے چٹکلہ کی بجائے ایک اور نکتہ ایجاد فرمایا۔

والوجہ من حیث المعنی فی ترک الرفع فی الرکوع والرفع منہ ان الیدین تدرکان ایضا عند رکوع البدن وان لہما حظا منہ کما ان لہما قیاما عند القیام واستقبالا عند الاستقبال کما فی شرح الموطا اھ (نیل الفرقدین ص)



"معنوی طور پر رفع الیدین کے ترک کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ جب جسم رکوع کے لیے جھکے تو ہاتھوں کو بھی رکوع کرنا چاہیئے۔ قیام واستقبال میں جیسے ہاتھوں کا حصہ ہے رکوع میں ہاتھوں کو جسم کے ساتھ شریک ہونا چاہیئے۔ اھ

شاہ صاحب کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب نمازی رکوع کے لیے جائے تو ہاتھوں کو بھی اس کے تابع ہونا چاہیئے۔ اس قسم کی موشگافیوں کی اگر کچھ دینی اہمیت ہو سکتی ہے تو رکوع سے اُٹھتے وقت رفع الیدین قبول فرمالینی چاہیئے۔ مگر معلوم ہے کہ عام احناف اس تفریق کو قبول فرماتے ہیں نہ خود شاہ صاحب۔ شاہ صاحب مرحوم کی خلافیات میں وسعت نظر معلوم ہے اور حنفیت کے ساتھ گہری ہمدردیاں بھی ڈھکی چھپی نہیں۔ شاہ صاحب نے اس باب میں احناف کی کمزوری کو چھپانے کی پوری کوشش فرمائی ہے اور پورا زور صرف فرمایا ہے کہ ترک رفع اور رفع الیدین کو برابر اور مساوی مقام پر لے آئیں اور دونوں کو سنت قرار دے کر معاملہ رفت گذشت ہو جائے۔ یہ قبول کر لینے کے باوجود کہ بعض اعمال کا ترک بھی سنت ہو سکتا ہے یہ بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ہی چیز کا ترک اور فعل دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں غایت یہی ہو سکتا ہے کہ فعل کو سنت سمجھا جائے اور ترک کو جائز اور مباح۔ شاید اسی لیے حافظ طحاوی نے اس مسئلہ میں بحث فرماتے ہوئے امام اوزاعی کو سامنے رکھا ہے جو رفع الیدین کو واجب سمجھتے ہیں۔ (شرح معانی الآثار)

شاہ صاحب کی بے قراری

آخر میں شاہ صاحب نے فقہاء عراق کی ابتدائی مساعی سے لے کر مدرسہ دیوبند کی تمام مساعی کو نظر انداز کرتے ہوئے فرمایا۔

"فصل فی احادیث الرفع" نقلنا فیہ عبارۃ التلخیص الحبیر فانہ

انی علی جلہا ولم یبق الا نذر یسیر ولیعلم ان الرفع متواتر اسناداً وعملاً لا یشک فیہ ولم ینسخ ولا حرف منہ وانما بقی الکلام فی الافضلیۃ الخ (ذیل الفرقدین ص ۲۳)

"رفع الیدین کی اکثر احادیث کا تذکرہ تلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجرؒ نے فرمادیا ہے شاید ہی کوئی باقی رہ گئی ہو اور یہ جان لینا چاہیئے کہ رفع الیدین سند اور عمل کے لحاظ سے متواتر ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اس میں ایک حرف بھی منسوخ نہیں۔ گفتگو ہے تو صرف افضلیت میں اھ۔"

شاہ صاحبؒ کی وسعتِ نظر اور ان کی جلالتِ قدر کے باوجود ذیل الفرقدین اور بسط الیدین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کو مخالف کے دلائل کی قوت سے بے حد پیچ و تاب محسوس ہوتا ہے۔ اگر حضرت شاہ صاحبؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا موقع ملتا یا بقول اکابرِ دیوبند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہوتی تو حضرت شاہ صاحب بڑے ادب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض فرماتے کہ حضور! اگر آپ حنفی ہوجائیں تو معاملہ ختم ہوسکتا ہے ورنہ یہ ائمہ حدیث ہماری کوئی بات نہیں چلنے دیتے شاہ صاحب رحمہ اللہ وسعتِ مطالعہ کے باوجود بے حد متعصب ہیں۔ اللہ ہم سب کی لغزشیں معاف فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ

متصلب حنفیؒ بھی اپنے مسلک کی تائید فرماتے ہیں لیکن ان کے انداز میں تکلف اور ضیق نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب بزرگوں پر رحم فرمائے۔ اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔

اس مسئلہ کے متعلق مولانا عبدالحی صاحبؒ کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے۔ طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں۔

فاذن المختار ان الرفع لیس بسنۃ موکدۃ یلام تارکہا الا ان ثبوتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وارجح واما

دعوی نسخہ کما صدر عن الطحاوی مغتربحسن الظن بالصحابۃ النازکین وابن الہمام والعینی وغیرھم من اصحابنا فلیست بمبرھن علیھا بما یشفی العلیل ویروی الغلیل (التعلیق المجد ص)

"ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ رفع الیدین سنت مؤکدہ نہیں کہ اس کے ترک کرنے پر ملامت کی جاسکے لیکن اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت کثرت سے اور راجح ہے اور نسخ کا دعویٰ جو طحاوی، ابن ہمام اور عینی وغیرہ نے بعض صحابہ رضہ سے حسن ظن کی بنا پر کیا ہے یہ قطعاً بے دلیل ہے ان دلائل سے تسکین نہیں ہوتی"

آمین بالجہر یعنی جہری آمین کہنا

جن نمازوں میں قرات آواز سے کی جاتی ہے ان میں جب سورۃ فاتحہ ختم کرے تو امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں۔ یہی جمہور اہل علم کا مذہب ہے۔ امام مالک رح، امام احمد رح، امام شافعی رح کا مذہب ہے کہ آمین آواز سے کہے۔ امام ابوحنیفہ رح کا خیال ہے آمین آہستہ کہے۔ امام محمد رح کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ

(بخاری موطا محمد)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہو گئی اس کے گناہ معاف ہو گئے"

حضرت ابوہریرہ رضہ کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آمین آواز سے کہنی چاہیئے لیکن اس سے بھی صریح الفاظ حدیث شریف میں وارد ہوئے ہیں۔

عن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین وقال امین ومد بھا صوتہ

(ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۹ ج ۲)

"وائل فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ولا الضالین کے بعد لمبی آواز سے آمین کہتے تھے"

ظاہر ہے کہ حضرت وائل نے آپ کی آواز کو سنا کہ وہ لمبی تھی۔ مد کے معنی جہر کے بھی آتے ہیں مصنف ابن ابی شیبہ میں جَهَرَ بِهَا صَوْتَہٗ مروی ہے۔ یہ حدیث حضرت وائل بن حجر نے سفیان ثوری کے واسطہ سے روایت فرمائی اسے امام ترمذی نے حسن فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (تلخیص ص ۸۹) دار قطنی اسے صحیح فرماتے ہیں۔

یہی حدیث شعبہ کے واسطہ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں شعبہ نے غلطی سے خَفَضَ بِهَا صَوْتَہٗ فرمایا ہے۔ اس میں شعبہ نے اور بھی غلطیاں کی ہیں جن کا ذکر محدثین نے اپنے مقام پر کیا ہے۔ امام بخاری کا قول امام ترمذی نے نقل فرمایا ہے کہ شعبہ نے اس مقام پر غلطی کی ہے۔ اس امر کے باوجود کہ حضرت سفیان ثوری کی روایت کو شعبہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔ شعبہ کی روایت سے بے آواز آمین کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ شعبہ کی روایت کے مطابق آواز تو ہونی چاہیئے گو اذان یا اقامت کے برابر نہ ہو۔ یہ بالکل بے آواز آمین جس کا رواج آج کل احناف میں ہو رہا ہے۔ اس کی تائید تو شعبہ کی روایت سے بھی نہیں ہوتی۔ اس میں بھی آواز آہستہ کرنے کا ذکر ہے، چپ کا نہیں۔ آمین کس قدر اونچی کہی جائے اس کا ذکر بھی احادیث میں آیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال امین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول (ابوداؤد $\frac{۲۵۳}{۱۲۰}$، زیلعی ص $\frac{۳۷۱}{}$ ج ۱)

"ابوہریرہ رض فرماتے ہیں آنحضرت ؐ فاتحہ کے بعد اتنی آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف میں سن لی جاتی"

بعض روایات میں مذکور ہے کہ آمین کی آواز عورتوں کی پہلی صف میں سنی جاتی۔

(زیلعی ص ۳۷۱ جلد ۱)

احادیث میں صراحت بھی آئی ہے کہ آپ آمین آواز سے کہتے۔

عن وائل الحضرمی انہ صلے النبی صلے اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین رافعا بہا صوتہ (سنن کبریٰ ص۵۷ جلد ۲)

"وائل فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے فاتحہ کے بعد بلند آواز سے آمین کہی"

الجوہر النقی میں ترکمانی حنفی جہر آمین کے بعض طرق پر جرح کے بعد صراحت فرماتے ہیں کہ جہر اور خفا کی دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان پر صحابہ رض نے عمل کیا ہے (مع سنن کبریٰ بیہقی ص ۵۸ جلد ۲)

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔

والانصاف الجھر قوی من حیث الدلیل (التعلیق الممجد ص۱۰۳)

شعبہ سے سفیان ثوری کی متابعت منقول ہے۔ (سنن کبریٰ ص ۵۸ جلد ۲)

علا بن صالح سے بھی سفیان ثوری کی متابعت منقول ہے اس لیے حضرت وائل بن حجر کی حدیث کی صحت میں شبہ نہیں اور اس پر عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور ثابت سنت پر عمل ہو گا۔ اللہ تعالے ہر مسلمان کو سنت پر عمل کی توفیق دے اور سنت پر نزاع سے بچائے۔

بظاہر جہر اور آہستہ آمین کہے۔ خفض بہا صوتہ کا مطلب یہ ہو گا کہ آواز ہلکی رکھے۔ پوری آواز سے نہ کہے۔ تمام نمازی ہلکی آواز سے آمین کہیں۔ اس سے مسجد گونج سکتی ہے۔ اس معنی سے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے۔

واللہ ولی التوفیق۔

نماز میں ہاتھ باندھنا

ہاتھوں کے متعلق اہل اسلام کے چار مسلک ہیں۔

۱۔ ہاتھ کھلے رکھنا یہ عام مالکی حضرات کا خیال ہے۔

۲۔ ناف کے نیچے باندھنا یہ احناف کا مذہب ہے۔

۳۔ ناف کے اُوپر باندھنا امام شافعی اور ان کے رفقاء کا مسلک ہے۔

۴۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا جماعت اہلِ حدیث کا معمول ہے۔

چونکہ ہاتھ باندھنے کی فرضیت ثابت نہیں اس لیے نماز کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں نماز کسی طرح بھی پڑھیں ہو جائے گی لیکن سنّت صحیحہ میں ہاتھ کھلے چھوڑنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ معلوم نہیں مالکی حضرات میں یہ کیسے رواج پا گیا۔ تقلید کی بناء پر مختلف مذاہب میں ایسے کئی مسائل ملتے ہیں جن کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مگر ارباب مذاہب مذہب پر حسن ظن کی وجہ سے انہیں حق سمجھتے ہیں بلکہ متواتر یا متوارث سمجھ کر ان پر عمل کرتے ہیں۔

جمہور اہلِ علم کی تائید میں عبداللہ بن مسعود رضہ، عبداللہ بن زبیر رضہ وغیرہما سے صحیح احادیث اور آثار مروی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ باندھتے تھے کھلے نہیں رکھتے تھے۔

ہاتھوں کا مقام

ہاتھ کہاں رکھے جائیں اس کے متعلق احناف اور شوافع کی تائید میں حضرت علی رضہ سعید بن جبیر رضہ، ابو مجلز تابعی اور حضرت ابو ہریرہ رضہ سے بعض احادیث اور آثار منقول ہیں جن کا تذکرہ امام ابو داؤد نے فرمایا ہے۔ یہ آثار زیادہ تر ابن الاعرابی کے نسخہ میں ملتے ہیں۔ لیکن ان سے کسی کی سند صحیح نہیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی ۴۵۸ھ نے سنن کبریٰ ص ۳۰ جلد ۲ میں ان آثار کا ذکر فرمایا ہے۔ کوئی سند بھی کلام سے محفوظ نہیں۔ یہ تمام آثار ضعیف ہیں ان کی بنا پر کسی کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔

سینہ پر ہاتھ رکھنے کے متعلق دو صحیح احادیث حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حدثنا یحییٰ بن سعید القطان عن سفیان الثوری حدثنا

سماک بن   عن قبیصۃ بن هلب عن ابیه قال رأیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ وعن

یسارہ ورأیتہ یضع ھذہ علی صدرہ (احمد فی مسندہ ص۲۲۶ ج۵)

"ہلب رضؓ فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا دائیں اور بائیں دونوں طرف

لوٹتے اور میں نے دیکھا کہ وہ ہاتھوں کو سینے پر رکھتے تھے "

دوسری حدیث میں حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں۔

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَضَعَ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلَی

الْیُسْرٰی عَلٰی صَدْرِہٖ (ابن خزیمہ فی صحیحہ کمافی بلوغ

المرام مع سبل السلام ص۲۵۹ ج۱)

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر

سینے پر رکھا "

ایک مرسل حدیث ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر فرمائی۔ طاؤس فرماتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ سینہ پر رکھا کرتے تھے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ صحیح ، راجح اور سنت یہی ہے کہ نماز میں ہاتھ سینہ

پر باندھے جائیں تاہم نماز ہر طرح ہو جاتی ہے۔ صحابہ رضؓ کا عمل دونوں طرح ہے۔ ان فروعی

مسائل پر ہر فریق کو اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور باہم نزاع کا موجب نہیں

بنانا چاہیئے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۱ جلد ا میں بعض صحابہ رضؓ اور تابعین سے کھلے ہاتھوں نماز

کے متعلق بھی آثار ملتے ہیں جن کی اسانید قابل اطمینان نہیں نہ ہی ان میں کوئی صحیح مرفوع حدیث

مروی ہے۔

نماز میں سورہ فاتحہ

اہل حدیث کے نزدیک نماز میں یعنی فرائض اور نوافل میں سورۂ فاتحہ پڑھنا امام ، مقتدی

منفرد ، مقیم ، مسافر سب پر فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نکمی اور ناقص ہوگی۔ فقہاء حنفیہ کے

نزدیک نماز میں سورۂ فاتحہ فرض نہیں ۔ البتہ فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں ۔ واجب اور فرض میں ان کے ہاں صرف اصطلاحی فرق ہے ۔ تمام رکعات میں وہ قراءت بھی فرض نہیں جانتے ۔ اہل حدیث کے نزدیک تمام رکعات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے ۔ عمداً اسے ترک نہیں کرنا چاہیئے ۔ کوئی آدمی سورۂ فاتحہ نہ جانتا ہو تو بعض دوسری ان ادعیہ پر وقتی طور پر کفایت کر سکتا ہے جن کا بیان حدیث میں آگیا ہے ۔ ورنہ ہر نماز میں سورۂ پڑھنا ضروری ہے ۔

عن ابی سعید امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر (ابوداؤد مع عون ص۳۰۱)

"ابو سعید فرماتے ہیں کہ فاتحہ اور کچھ زیادہ پڑھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ۔ یعنی اگر فاتحۃ الکتاب سے کچھ زیادہ بھی پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ۔

عن ابی ھریرۃ قال امرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لاصلوۃ الابقراءۃ الفاتحۃ فما زاد (ابوداؤد مع عون ص۳۰۱ جلد ۱)

"ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا میں منادی کردوں کہ سورۂ فاتحہ اور ما زاد کے سوا نماز نہیں ہوتی ۔"

عن ابی السائب سمعت ابا ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلے صلوۃ لم یقرء فیھا بام القران فھی خداج فھی خداج فھی خداج الحدیث ۔

"ابو السائب فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رض سے سنا فرماتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ناقص ہوگی ۔" تین دفعہ فرمایا ۔

۴ ۔ ابو السائب فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رض سے پوچھا ۔ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں ۔ فرمایا دل میں پڑھو کیونکہ اللہ نے نماز کو نمازی اور اپنے درمیان تقسیم فرما دیا ہے کچھ حصہ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کا ہے اور کچھ انسان کی اپنی ضرورتوں کے لیے ہے ۔

فائدہ

اس حدیث میں صلوٰۃ سورۃ فاتحہ ہی کو کہا گیا ہے کیونکہ یہی نماز کا اہم اور ضروری حصہ ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت یبلغ بہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا (ابوداؤد مع عون ص۳۰۳ ج۱)

"عبادہؓ بن صامت نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ قرآن کا حصہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

حافظ عبدالعظیم منذری (۶۵۶ھ) نے فرمایا۔

اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ ولیس فی حدیث بعضہم فصاعدًا (تلخیص منذری ص۳۹ ج۱)

"یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں موجود ہے اور بعض ائمہ حدیث نے فصاعدًا کا ذکر نہیں فرمایا۔"

سفیان بن عیینہ کا خیال ہے کہ یہ حدیث اکیلے آدمی کے لیے ہے حافظ خطابی رح فرماتے ہیں۔

قلت ھذا عموم لایجوز تخصیصہ الابدلیل (معالم السنن ص۲۸۹ ج۱)

"حدیث سب کے لیے عام ہے اسے دلیل کے بغیر خاص نہیں کیا جاسکتا۔"

نیز اگر اسے منفرد کے لیے خاص سمجھ لیا جائے تو امام پر فاتحہ کے وجوب کی دلیل کہاں سے آئے گی۔

اس کے بعد امام خطابی (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں۔

ھذا الحدیث نص بان قراءۃ الفاتحۃ واجبۃ علی من صلے خلف الامام سواء جھر الامام بالقراءۃ اوخافت بھا واسنادہ جید لاطعن فیہ (معالم السنن ص۳۹ جلد۱)

"یہ حدیث صریح ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ امام آواز سے

پڑھے یا آہستہ پڑھے۔ اس کی سند صحیح ہے اس میں کوئی نقص نہیں۔"

عن عبادة بن الصامت قال کنا خلف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الفجر فقرء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فثقلت علیہ القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم ھذا یا رسول اللہ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب (تلخیص منذری ص ۲۹۱ ج ۱ سنن ابی داؤد مع عون ص ۳۰۴ ج ۱)

"عبادہ رض بن صامت فرماتے ہیں ہم نے صبح کی نماز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی۔ آپ پر قرأۃ بوجھل ہو گئی۔ آپ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے عرض کیا ہاں جلدی سے پڑھ لیتے ہیں۔ فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ مت پڑھو اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔"

فائدہ نمبر ۱

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آواز سے پڑھتے تھے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت میں بوجھ اور خلجان محسوس ہوا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے روک دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن احادیث میں انصات کا حکم فرمایا گیا ہے اور پڑھنے سے روکا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ آواز سے نہیں پڑھنا چاہیئے، آہستہ پڑھنا چاہیئے۔ آہستہ پڑھنے سے تو خلجان ہوتا ہی نہیں۔ اس لیے نماز سری ہو یا جہری آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔ حدیث واذا قرأ فانصتوا کا بھی یہی مطلب ہو گا کہ جب امام پڑھ رہا ہو مقتدی کو آواز سے نہیں پڑھنا چاہیئے حضرت عبادہ رض کا اپنا عمل بھی یہی ہے۔ (مختصر منذری ص ۲۹۱ جلد ۱، وابوداؤد مع عون ص ۳۰۴ جلد ۱)

فائدہ نمبر ۲

بعض احادیث میں فاتحہ کے ساتھ فصاعدا اور ما زاد کا لفظ آیا ہے یعنی سورۃ فاتحہ کے

علاوہ بھی کچھ پڑھنا چاہیئے۔ اور بعض احادیث میں یہ لفظ نہیں جس کا مطلب صاف ہے کہ فاتحہ تو ضروری ہے لیکن اس کے علاوہ کچھ پڑھنا ضروری نہیں۔ فقہاء حنفیہ کے نزدیک تو قرآن مجید کے کسی مقام سے تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت پڑھ لی جائے تو نماز ہو جاتی ہے البتہ ائمہ حدیث سورۂ فاتحہ ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسے متذکرہ احادیث کا مفہوم ہے اور اس کے علاوہ پڑھنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ بعض اہل علم نے مقتدی کے لیے فاتحہ سے زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ بعض احادیث میں تطبیق کے لیے فرمایا ہے ورنہ ماسوا کی نفی کے متعلق کوئی واضح حکم نہیں۔ حضرت عبادہ رضہ کی روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ اس میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کا اظہار مقصود ہے اس سے زیادہ کی نفی مطلوب نہیں۔ اگر اگر کوئی زیادہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ خاص طور پر سری نمازوں میں یا رات کی نمازوں کی آخری رکعات میں جب کہ امام آواز سے نہیں پڑھتا سورۂ فاتحہ اور مزید قرآن پڑھنا خشوع اور دل جمعی کا موجب ہوگا اور پریشان خیالات سے ذہن محفوظ رہے گا۔

حدثنا محمد بن سليمان بن فارس حدثني ابو ابراهيم محمد بن يحيى الصغار حدثنا عثمان بن عمر عن يونس عن الزهري عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب خلف الامام قال ابو الطيب قلت لمحمد بن سليمان خلف الامام؟ قال خلف الامام هذا اسناد صحيح (كتاب القراءة بيهقی ص۴۲، كنز العمال ص۲۱۸ ج۴)

"عبادہ رضہ فرماتے ہیں جو آدمی امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہو گی۔ ابوالطیب فرماتے ہیں میں نے اپنے استاد سے خلف الامام کی بابت پوچھا۔ انہوں نے فرمایا یہ زیادت درست ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے۔"

بعض اہل علم نے اس کی اسناد کی صحت پر تعجب فرمایا ہے (فصل الخطاب ص ۲۴۹) اس تعجب پر تعجب ہونا چاہیئے سند صحیح موجود ہے، مزید شواہد موجود ہیں جن کا تذکرہ حافظ بیہقی نے تفصیل سے فرمایا ہے۔ (کتاب القرارت ص ۵۲/۵۳)

روایت بالمعنی سے احتراز کے باوجود ائمہ حدیث میں اس کا رواج عام تھا۔ ابو ہریرہؓ انس بن مالکؓ وغیرہ صحابہؓ سے اس مفہوم کی روایات بکثرت موجود ہیں پھر تعجب کیوں؟ اس لیے کہ ایسی زیادت صراحتہً آگئی جسے قبول کرنے کے لیے دل تیار نہیں۔ بزرگوں کا احترام اچھی بات ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی سب سے زیادہ قابلِ احترام ہیں۔ اقوالِ ائمہ کی تاویل ہو سکے تو ہو جانی چاہیئے احادیث نبویہ کے لیے ائمہ کے اقوال و مذاہب کو معیار نہیں قرار دینا چاہیئے۔

قراۃ فاتحہ کے متعلق ائمہ کے مذاہب

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا خیال ہے کہ سری نمازوں میں امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور اگر امام جہر کرے تو مقتدی چپ رہے اور امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی، جب وہ عراق میں تھے یہی تھا۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ وہ احادیث میں اسی طرح تطبیق دیتے ہیں۔ جن روایات میں قرأت سے روکا گیا ہے۔ وہ جہر پر محمول ہیں۔ جن میں پڑھنے کی تاکید ہے اس سے سری نمازیں مراد ہیں۔ عام ائمہ حدیث اور شافعیؒ کا قولِ جدید یہ ہے کہ بلا تخصیص تمام نمازوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے سابقہ دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ نے یہ مذہب مصر آکر اختیار فرمایا۔

روی عنہم انہ یقرء فیما اسر لا فیما جہر وہو احد قولی الشافعی کان یقولہ بالعراق (التعلیق ص۲۷)

"سری میں امام کے پیچھے پڑھے جہری میں نہ پڑھے۔ عراق میں امام شافعی یہی فرماتے تھے۔"

والثانی انہ یقرء بام القرآن فیما جہر وفیما اسر وبہ قال الشافعی بمصر سنۃ ۱۹۸ وعلیہ اکثر اصحابہ (التعلیق الممجد ص۲۷)

"سری اور جہری دونوں میں فاتحہ پڑھے۔ یہ جدید قول امام نے مصر میں اختیار فرمایا۔"

فقہائے عراق حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے بعض شاگرد سری اور جہری دونوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ ناپسند فرماتے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی رائے ہے۔

فالاولیٰ ان یختار طریق الجمع ویقال تجوز القراءۃ خلف الامام فی السریۃ وفی الجہریۃ۔ ان وجد الفرصۃ فی السکتات والا لئلا یخل بالاستماع المفروض ومع ذلک لولم یقرء اجزءہ (التعلیق الممجد ص حاشیہ ۸)

"بہتر یہ ہے کہ احادیث میں تطبیق دی جائے اور کہا جائے کہ نماز سری ہو یا جہری امام کے پیچھے قراءت درست ہے۔ جہری میں امام کے سکتوں میں پڑھے ورنہ نہ پڑھے تاکہ فرض استماع میں خلل نہ پڑے اور اگر نہ بھی پڑھے تو نماز ہو جائے گی"

اس عبارت سے مقصد یہ ہے کہ مولانا لکھنویؒ دلائل کی قوت سے متاثر ہو کر پڑھنا پسند فرماتے ہیں نماز سری ہو یا جہری۔

قراءت کہاں سے شروع کرے

بسم اللہ گو فاتحہ کا جزء ہے۔ باقی سورتوں کے شروع میں فاصلہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جہری نمازوں میں بسم اللہ عموماً آہستہ پڑھتے۔ قراءت عموماً اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے شروع فرماتے۔ سری نمازوں میں تو ساری قراءت ہی آہستہ ہوتی تھی۔

عن انس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر وعثمان کانوا یَفْتَتِحُوْنَ القراءۃ بالحمد للہ رب العالمین (ابوداؤد مع الخطابی ص ۲۷۷ جلد ۱)

"حضرت انسؓ نے فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نماز میں قراءت الحمد للہ رب العالمین سے شروع فرماتے"

اسی طرح حضرت عائشہ رض اور ابوہریرہ رض اور بعض دوسرے صحابہ رض سے بھی مروی ہے۔

امام شافعی رح سورۂ فاتحہ اور ہر سورۂ کے ابتداء میں بسم اللہ با آواز پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حضرت معاویہ رض نے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں نماز پڑھائی۔ فاتحہ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھی لیکن سورت کے شروع میں بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی تو صحابہ رض نے فرمایا یا تم بھول گئے یا تم نے نماز میں چوری کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رض نے ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھی (کتاب الام ص ۹۳ جلد ۱)

تمام قراء کا بھی اتفاق ہے کہ ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تو وہی ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے لیکن کبھی جہر بھی فرماتے اس لیے یہ بھی درست ہے۔ اس پر اگر کوئی عمل کرے تو کوئی حرج نہیں، حافظ دارقطنی نے سنن میں حضرت علی رض، حضرت عمار رض، حضرت عباس رض، ابن عمر رض، ابی ہریرہ رض، ام سلمہ رض، حضرت جابر رض، حضرت انس رض سے مرفوع اور موقوف احادیث اور آثار ذکر فرماتے ہیں کہ بسم اللہ آواز سے پڑھی جائے۔ اس کے علاوہ بھی بعض صحابہ رض سے بسم اللہ آواز سے پڑھنا منقول ہے لیکن اکثر کی اسانید میں کلام ہے۔ مجموعی طور پر ان سے استدلال کی گنجائش ہے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عام عادت یہی تھی کہ قراءت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے شروع فرماتے۔ متوارث اور معمول بہا سنت یہی ہے۔

قرآن سے خاص سُورتیں پڑھنا

سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کہیں سے پڑھا جائے نماز ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (مزمل)

"قرآن جہاں سے آسان معلوم ہو پڑھ لو"

لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعض خاص مقامات پر خاص سُورتیں اکثر پڑھا کرتے

نے۔ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں اکثر الم تنزیل سجدہ پڑھا کرتے تھے اور سورۂ
۔ (نسائی ص ۱۱۷ جلد ۱)

جمعہ کی نماز میں عموماً سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ یا سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھتے ۔ وتر
ین پڑھتے تو پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں الکافرون تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھتے
ح کی دو سنتوں اور مغرب کی دونوں سنتوں میں سورۂ الکافرون اور سورۂ اخلاص اسی ترتیب
سے پڑھتے (نسائی ص ۱۱۶، ۱۲۰ جلد ۱)

یہ مسنون طریق ہے اگر کسی دوسری جگہ سے قرآن پڑھ لیا جائے تو بھی نماز ہو
جائے گی۔

الفاظ مسنونہ کی پابندی کا مسئلہ

نماز کے وظائف میں شریعت کا اصول یہ ہے کہ وہ اسی طرح پڑھے جائیں جس طرح
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ خاص طور پر قرآن کے الفاظ تو کسی صورت
ں بدلے جا سکتے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن ۔ جمع کے لفظ ہیں۔ بظاہر
لفظ جماعت کے ساتھ ہی پڑھنے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی اکیلا نماز پڑھے تو بھی یہی
الفاظ پڑھے گا انہیں بدلنے کی اجازت نہیں۔ قرآن عزیز میں قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْن،
يا فِرْعَوْن، يا هَامَان وغیرہ نداء اور خطاب کے طور پر پڑھے گئے۔ اس وقت کفار
وجود تھے لیکن فرعون وہامان وغیرہ فنا ہو چکے تھے۔ کفار بھی عموماً مسجد کے گرد پیش موجود
ں ہوتے تھے۔ اس کے باوجود الفاظ اپنی صورت میں قائم رہے بدلنے کی ضرورت
ں محسوس کی گئی۔ تاہم عام ادعیہ اور باقی وظائف میں یہ پابندی اس قدر سخت نہیں، بہتر
یا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی پابندی کی جائے الفاظ ماثورہ ہی پڑھے
جائیں لیکن بعض جگہ تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔

امام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے لیے دعا مخصوص نہ
کرے بلکہ دعا میں مقتدیوں کو بھی شامل کرے (ترمذی ص ۲۸۵ جلد ۱)

اس سے ظاہر ہے کہ وہ مفرد ضمیروں کو جمع سے بدلے گا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا کہے گا اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ کی بجائے اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا پڑھے گا۔ ایسی تبدیلی دعاؤں میں جائز ہے۔ نماز کے علاوہ جو دعا چاہے عربی میں کرے، اپنی زبان میں کرے ا‌جائز ہے۔ لیکن نماز میں وہی دعائیں مسنون ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اسی طرح بعض اذکار کے متعلق صحابہ رض سے منقول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ رض نے الفاظ بدل دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تشہد کے الفاظ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ پڑھا کرتے تھے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود تھے۔

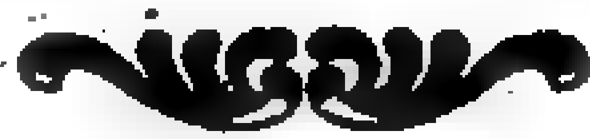
عبداللہ بن سنجرہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے سنا فرماتے تھے

علمنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشھد کما یعلمنی السورۃ من القرآن اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وھو بین ظھرانینا فلما قبض قلنا السلام علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری مع کرمانی صفحہ پ ۲۲ کتاب الاستیذان، مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۹۲، ۲۹۳ ج ۱)

"عبداللہ بن مسعود رض فرماتے ہیں مجھے آپ نے تشہد اس طرح سکھایا جس طرح قرآن سکھاتے تھے۔ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ ہم آپ کی زندگی میں تشہد اَیُّھَا النَّبِیُّ ندا کے لفظوں سے پڑھتے تھے۔ جب آپ کا انتقال ہوگیا تو ہم نے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس لیے کہ اب آپ سامنے موجود نہ تھے۔"

(تشہد کا ترجمہ اپنے مقام پر آئے گا)

ادعیہ ماثورہ میں بعض الفاظ کی تبدیلی کا ثبوت بعض دوسری احادیث سے بھی ملتا ہے



نماز کا طریقہ

طہارت کے ساتھ وضو کے بعد امام اور مقتدی قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں۔ ...نی صف سیدھی کریں۔ پاؤں اور کندھے جہاں تک ہو سکے ملائیں۔ جس نماز کا وقت ...ہے اس کی نیت کر کے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ سینہ پر باندھ لیں اور نیچے لکھی گئی دعاؤں میں سے ...جو چاہیں دل میں پڑھیں۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ (مسلم صفحہ ۲۱۹ جلد ۱)

"اے اللہ میرے گناہوں کو مجھ سے اتنا دور کر جس طرح مشرق اور مغرب۔ اے اللہ مجھے گناہوں سے اس طرح صاف کر جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈالے"

۲۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (مسلم)

"اے اللہ تو سب بڑوں سے بڑا ہے۔ تیری تعریفیں بڑی کثرت سے ہیں۔ تیرے لیے صبح اور شام پاکیزگی ہے"

۳۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ تو اپنی تعریفوں سمیت پاک ہے۔ تیرا نام بڑا بابرکت ہے۔ تیرا مقام بہت

ا۔ سند میں ضعف ہے لیکن مختصر اور جامع ہے۔

برتر ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

۴۔ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ لَا مَنْجَا وَلَا مَلْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ وَأَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ[1] (مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی کبیر ص۱۰۷ ج۲)

"میں نے اس ذات کی طرف توجہ کی جس نے آسمان زمین کو بنایا، میں حنیف ہوں، مشرک نہیں ہوں۔ کہہ دو میری نماز، میری قربانی، میری موت، میری زندگی اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم کیا گیا ہے۔ میں مسلم ہوں۔ اے اللہ تو ہی بادشاہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اپنی صفات سمیت پاک ہے۔ تو میرا رب ہے میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اے اللہ میری سب غلطیاں معاف فرما دے۔ تو ہی گناہ معاف فرما سکتا ہے۔ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ بھلائی تیرے قبضہ میں ہے۔ نجات اور پناہ تیرے ہی پاس ہے۔ میں تیری بخشش چاہتا ہوں۔ تیرے ہی پاس آتا ہوں۔"

اس کے بعد أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھے (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے (مشکوٰۃ) تعوذ کے اور بھی کئی الفاظ حدیث میں موجود ہیں جو چاہے پڑھے) اس کے بعد امام، مقتدی، منفرد سورہ فاتحہ پڑھیں۔

---

[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ دعا تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے۔ (بلوغ المرام)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ
اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ اٰمِیْن ۔

"سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے پوری کائنات کی تربیت اپنے ذمہ لی ہے۔ جو بہت رحم کرنے والا مہربان ہے۔ وہ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی مدد چاہتے ہیں۔ (اے اللہ) ہمیں سیدھی راہ کی طرف راہنمائی فرما۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تو نے ناراضگی فرمائی اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ" (اے اللہ یہ دعا قبول فرما)

جہری نمازوں میں آمین آواز سے کہے اس کے دلائل ذکر ہو چکے ہیں۔

اس کے بعد کوئی سورت پڑھے یا قرآن کا کوئی حصہ۔

رکوع

قرات کے بعد کندھوں تک ہاتھ اٹھا کر رکوع کیا جائے۔ رکوع میں پیٹھ سیدھی اور سر ہموار ہونا چاہیئے۔ پورے اطمینان سے رکوع کی دعا پڑھیں۔ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اس طرح کہ ہاتھ پہلو سے الگ ہوں اور تنے ہوئے ہوں۔ مندرجہ ذیل ادعیہ سے جو چاہے پڑھے۔

۱۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (مشکوٰۃ)

"میرا عظیم الشان پروردگار پاک ہے"

۲۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ (مشکوٰۃ)

"اللہ بے حد پاک بہت مقدس ہے جبریل اور تمام فرشتوں کا پروردگار ہے"

۳۔ سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ

"اے اللہ ہمارے پروردگار تو اپنی تعریفوں کے ساتھ پاک ہے اے اللہ مجھے بخش دے"

۴۔ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْعَظَمَۃِ (مشکوٰۃ)

"اللہ پاک ہے، طاقتور بادشاہت، برتری اور عظمت والا ہے۔"

۵۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَبِکَ اَسْلَمْتُ۔ خَشَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ (صحیح مسلم)

"اے اللہ میں نے تیرے ہی لیے رکوع کیا۔ تجھ ہی پر ایمان لایا۔ تیرے ارشاد کو میں نے تسلیم کیا۔ میرے کان، آنکھیں، دماغ، ہڈیاں اور پٹھے تیرے ہی لیے عجز گذار ہیں۔"

تعداد تسبیحات

رکوع اور سجدے میں دُعائیں تین سے تیرہ تک طاق مسنون ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رہ کے سجدے کی تسبیحات کا دس تک اندازہ کیا گیا تھا۔ (مشکوٰۃ)

قومہ

رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کو قومہ کہا جاتا ہے اس میں بھی اطمینان ضروری ہے بدن سیدھا ہو جائے، سب اعضاء اپنے ٹھکانے پر آ جائیں۔ جو لوگ سیدھے کھڑے نہیں ہوتے ان کی نماز نہیں۔ جب رکوع سے اُٹھے تو کندھوں یا سینہ تک ہاتھ اٹھائے اور مندرجہ ذیل ادعیہ سے جو چاہے پڑھے۔

۱۔ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (مشکوٰۃ)

سُن لی اللہ نے جس شخص نے اس کی تعریف کی، اے پروردگار سب خوبیاں تیرے ہی لیے ہیں۔

۲۔ تسمیع کے بعد، رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی (فتح الباری بحوالہ سنن نسائی۔

"اے پروردگار سب حمد تیرے ہی لیے ہے بہت سی حمد جس کے اندر اور جس کے اُوپر پاکیزگی اور برکت ہو جس طرح ہمارا رب خوش ہو اور پسند فرمائے۔"

۳۔ ایضاً: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ

الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا
مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (مسلم)

"اے اللہ ہمارے پروردگار تیرے لیے اس قدر حمد ہے جس قدر آسمان اور زمین بھر جائیں اس کے بعد جو تو چاہے وہ بھی بھر جائے۔ تو تعریف اور بزرگی کا اہل ہے بندوں کی (ایسی) باتوں کا تو ہی حقدار ہے۔ ہم تیرے بندے ہیں۔ جو تو دے اُسے کوئی نہیں روک سکتا جو تو روک دے اسے کوئی نہیں دے سکتا۔ دولت مند کی دولت کا تیرے پاس کوئی فائدہ نہیں"

فائدہ

رکوع، سجود، قومہ، قعدہ میں اعتدال اور اطمینان ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن ابی مسعود البدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لَا تُجْزِئُ صَلٰوۃُ اَحَدِکُمْ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَھْرَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (اصحاب السنن)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم رکوع اور سجود میں پیٹھ سیدھی نہیں کرتے تمہاری نماز درست نہیں ہوگی"

نعمان بن مرہ کی روایت میں اس بے اعتدالی کو چوری سے تعبیر فرمایا ہے، جو آدمی رکوع اور سجود قائم نہ رکھے یہ فعل بدترین قسم کی چوری ہے۔ (موطا امام مالک، نیز مشکوٰۃ دیکھیے)۔

فائدہ

مقتدی اور امام رکوع سے اُٹھتے وقت سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہیں (جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اللہ نے اس کی تعریف سُن لی) اور رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہیں۔ (فتح الباری)

اگر امام پہلا کلمہ کہے اور مقتدی دوسرا کہہ دے یہ بھی درست ہے۔ حدیث شریف

سے دونوں باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

سجود

قومہ سے آرام کے ساتھ سجود کی طرف جھکے اور اللہ اکبر کہے۔ (مشکوٰۃ)

اور پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ رکھے یا پہلے ہاتھ زمین پر رکھے پھر گھٹنے رکھے دونوں امر درست ہیں۔ (بلوغ المرام)

سجود میں پیٹ کا بوجھ رانوں پر نہ رکھے۔ پیشانی، ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں زمین پر رکھے۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سجدہ سات اعضاء پر کرنا چاہیئے۔ (صحیحین)

نیز فرمایا سجدے میں انسان اللہ تعالےٰ سے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی جنت میں میری رفاقت چاہتا ہے اسے نوافل کثرت سے پڑھنے چاہئیں۔ (صحیح مسلم)

(فرائض کے علاوہ) نوافل کثرت سے ادا کرنے چاہئیں اور سجود حضور قلب، اور اطمینان سے کرنے چاہئیں۔ سجود مومن کے لیے معراج ہے۔ سجدے کی دعائیں درج ذیل ہیں، جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔

۱۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (مشکوٰۃ)

"میرا برتر پروردگار پاک ہے"

۲۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ (مشکوٰۃ)

"اے ہمارے پروردگار تو اپنی محامد کے ساتھ پاک ہے۔ مجھے بخش دے"

۳۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ (مشکوٰۃ)

"اللہ بے حد پاک مقدس ہے جبریل اور تمام فرشتوں کا پروردگار ہے"

یہ دونوں دعائیں رکوع سجود دونوں میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

۴۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ میرے چھوٹے بڑے تمام گناہ بخش دے"

۵۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (مسلم)

"اے اللہ تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ چاہتا ہوں۔ تیرے عذاب سے تیری عفو کی پناہ چاہتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔"

اس کے علاوہ سجود میں اور بھی دعائیں حدیث شریف میں مروی ہیں۔ لمبی دعائیں اکیلے پڑھے جماعت میں کمزور مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

جلسہ

سجود سے اُٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہے اور بایاں پاؤں موڑ کر بچھا دے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور اس پر برابر اطمینان سے بیٹھ جائے اور یہاں تک کہ سب اعضاء اپنی اپنی جگہ آجائیں اور یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ (مشکوٰۃ)

"اے اللہ مجھے بخش مجھ پر رحم فرما۔ مجھے ہدایت دے۔ مجھے عافیت دے اور مجھ رزق دے۔"

بعض احادیث میں صرف رَبِّ اغْفِرْلِیْ بھی مذکور ہے۔

اس کے بعد دوسرا سجدہ بھی اُسی طرح کرے اور اللہ اکبر کہہ کر اطمینان سے بیٹھ جائے۔ (مشکوٰۃ)

جلسۂ استراحت

پہلی اور تیسری رکعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر بیٹھ کر اُٹھتے تھے (صحیحین) اس کا نام جلسۂ استراحت ہے یہ جلسہ دوسرے سجدہ سے اُٹھ کر کرنا چاہیئے۔ اس کی صورت وہی ہے جو قعدہ کی تھی۔ یہ جلسہ واجب نہیں سنت ہے۔

تشہد

تمام رکعات اسی طرح ادا کرے ظہر، عصر اور مغرب اور عشاء کی دوسری رکعت میں دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر اس طرح رکھے کہ گھٹنا پورا ہاتھ کی گرفت میں آجائے۔

كَانَ يُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى (مسلم)

اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنا کر تسبیح کی انگلی کو اٹھائیں اور مندرجہ ذیل تشہد پڑھیں۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ[1] وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (صحیحین)

(زبان، بدن اور مال کی تمام عبادتیں صرف اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر اللہ کا سلام رحمت اور برکت ہو اور سلامتی ہو ہم پر اللہ کے تمام نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہ ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔)

---

[1] صحیح بخاری باب الاستیذان میں مذکور ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انہیں الفاظ سے پڑھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ کہتے تھے اور خطاب کا لفظ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ترک کر دیا۔ (مع فتح ص ۶۵۸ جلد ۵ طبع ہند)

نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ اَيُّهَا النَّبِيُّ کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پڑھا کرتے تھے۔ (دیکھو مشکوٰۃ ص ۸۵)

لہٰذا اسے خطاب نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ اسی طرح پڑھے جائیں گے جس طرح مروی ہے کہ كَانَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (مشکوٰۃ)

مطلب یہ کہ قرآن مجید کی سی حیثیت ان الفاظ کی ہے۔

تشہد کے لیے احادیث میں اور الفاظ بھی مروی ہیں لیکن یہ الفاظ بہت جامع ہیں۔ اور امت کا معمول۔ گو دوسرے الفاظ سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ یہ الفاظ حضرت عبداللہ رضؓ بن مسعودؓ سے مروی ہیں۔

رفع مسبحہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں تشہد میں انگشتِ شہادت کو اُٹھاتے تھے۔ (کتب احادیث) یہ انگلی اٹھانا با جماع ائمہ سنّت ہے۔ بعض غیر معروف۔ اور کم علم لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ان کی وجہ سے عام ناواقف لوگ اس سنّت سے نفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ تمام فقہاءُ اور ائمہ حدیث اس سنّت پر متفق ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا اسے کلمہ شہادت کے وقت اُٹھانا چاہیے۔ احادیث میں ایسی کوئی پابندی نہیں، پورے تشہد میں اُٹھائے رکھے یا کسی مقام پر اٹھائے سنّت پر عمل ہو جائے گا۔ باقی تمام نماز اسی طرح ادا کرے۔

آخری تشہد

آخری تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولھے پر بیٹھ جائے یا دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بائیں کولھے پر بیٹھے۔ (مشکوٰۃ)
اور وہی تشہد پڑھے جو پہلے گزر چکا ہے اس کے بعد درود شریف پڑھے۔ عام لوگ اس مقام پر درود شریف ضروری نہیں سمجھتے۔ اہلحدیث کے نزدیک درود شریف ضروری ہے۔

درود شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (صحیح بخاری)

(اے اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیج جس طرح تونے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر صلوٰت بھیجی۔ حمد اور بزرگی تیرے ہی لیے ہے۔ اے اللہ

تو برکت فرما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر جیسے تو نے حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر برکت فرمائی۔"

صلوٰۃ

صلوٰۃ کے معنی نماز بھی ہے اور اس کے معنی رحمت کے بھی ہیں اور یہی لفظ دعا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

فائدہ

یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی اس قدر رحمت ہے کہ انہیں ہماری دعائے رحمت کی چنداں ضرورت نہیں جیسے قرآن مجید نے بعض لوگوں کے متعلق فرمایا ہے۔

اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

"ان پر اللہ کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درود میں صلوٰۃ کے معنی رحمت نہیں بلکہ یہاں صلوٰۃ سے مراد وہ خوبیاں اور محاسن نیز وہ کامیابیاں اور ذمہ داریاں ہیں جن کی تکمیل کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث فرمائے گئے۔ کافی حد تک اپنی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکمیل فرما دی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں امت ان کی تکمیل کر رہی ہے۔ امت کی یہ کوشش دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کی کامیابی ہے۔ اسلام کی اشاعت، اچھے اخلاق کی تعلیم، کفر اور فسق کی کمزوری یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی ہے جس کے لیے پوری امت کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی گئی۔

علمائے اہل حدیث نے فرضی نمازوں میں اسے ضروری اور واجب سمجھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من صلے علیّ واحدۃ صلے اللہ علیہ عشرا (مشکوٰۃ)

"جو میری کامیابی کے لیے ایک دفعہ دعا کرے اللہ تعالےٰ اسے دس کامیابیاں، رحمت

فرماتا ہے "

ہر ایماندار آدمی پر فرض ہے کہ وہ نماز میں اور علاوہ نماز کے جس قدر ہوسکے درود شریف پڑھے۔ درود شریف دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام اور مسلمانوں کی کامیابی کی دعا ہے جو اللہ تعالٰے سے کی جاتی ہے۔ اس دعا سے کسی وقت بھی انسان مستغنی نہیں ہوسکتا۔ تفصیل کے لیے جلاء الافہام (ابن القیم) کا مطالعہ فرمائیں۔

آل

آل کا لفظ معزز لوگوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ دینی اور دنیوی شرافت کو شامل ہے۔ اس سے جس طرح خاندان اور نسبی تعلق مراد لیا جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کے فرمانبردار اطاعت گزار لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ پوری امت کے اطاعت شعار اور نیک دل لوگ حضرتؐ کی آل ہیں۔ یہ دعا پوری امت کی کامیابی کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (بقرۃ)

"ہم نے تمام آل فرعون کو تمہارے دیکھتے دیکھتے غرق کر دیا"

یہ تو معلوم ہے کہ فرعون کے ساتھ خاندان کے علاوہ اس کا لشکر بھی غرق ہوا تھا۔ یہ سب اطاعت کی وجہ سے اس کی آل تھے۔ ہم لوگ درود شریف میں اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری آل کے لیے کامیابی کی دعا کرتے ہیں اور جب تک دنیا رہے گی اس دعا کی ضرورت رہے گی۔

برکت

برکت کے معنی خیر کی کثرت اور دوام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر سعادت اور کامیابی عطا فرمائی گئی۔ آپ کے ذکر کو اقطارِ عالم میں بلند کیا گیا ہے درود کے اس حصہ میں اس کے دوام کے لیے دعا کی گئی ہے۔

راغب فرماتے ہیں۔

وَالْبَرَکَۃُ ثُبُوْتُ الْخَیْرِ الْاِلٰھِیْ فِی الشَّیْءِ (مفردات)

"کسی چیز میں اللہ تعالٰی کی طرف سے خیر کا ثابت ہونا برکت ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برکات کی طلب کا یہی مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل میں بھلائیاں ہمیشہ رہیں۔

تشبیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات اور برکت کو حضرت ابراہیمؑ پر صلوٰۃ اور برکت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر یہ انعام اور خیر و برکت بدرجہا حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ سے زیادہ ہے اور دونوں کی خصوصیات میں نمایاں فرق ہے اس لیے مقام کے لحاظ سے ان کو کوئی نمایاں فوقیت حاصل نہیں لیکن تقدم کے لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل بلاشبہ نمونہ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کی مساعی اور دینی خدمات کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ (الانعام)

یعنی ایثار، قربانی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عواقب، صبر و تحمل اور اس کی جزا میں ان کی کامیابیوں اور اللہ تعالےٰ کے انعامات سے بہرہ ور ہوتے رہیں۔ بنا بریں وہ اس قابل ہیں کہ ان کو مشبہ بہ قرار دیا جائے اور آلِ محمد کے لیے بھی انہیں مثال اور نمونہ قرار دیا جائے۔

تشہد کے بعد کی ادعیہ

اس کے بعد مندرجہ ذیل دعاؤں سے جو چاہے پڑھے۔ جو اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد دعائیں منقول ہیں ان سے جس قدر چاہے پڑھے۔

۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ (صحیحین)

"اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ قبر کے عذاب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ دجال کے فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ زندگی اور موت

کے فتنوں سے تیری پناہ مطلوب ہے۔ اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں"

حضرت طاؤس نے اپنے لڑکے سے پوچھا، تم نے نماز میں یہ دعا پڑھی ہے۔ اس نے کہا نہیں! طاؤس نے کہا نماز لوٹا۔

فائدہ

جہنم تو معلوم ہے کہ خدا تعالےٰ کا آخری عذاب ہے۔ مختلف قسم کے لوگ اس عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ بعض کو نجات مل جائے گی۔ بعض ہمیشہ کے لیے اس میں گرفتار رہیں گے قبر، دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ پہلی زندگی کے مجمل اثرات انسان یہیں محسوس کرے گا۔ مفصل جزا اور سزا اس پر قیامت کو ظاہر ہوگی۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (صحیحین)

"اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا مجھے معاف فرما، مجھ پر رحم فرما، تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے"

۳۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (صحیح مسلم)

"اے اللہ میرے پہلے اور پچھلے پوشیدہ اور ظاہر گناہ معاف فرما دے جو میں نے زیادتی کی وہ بھی معاف فرما اور وہ بھی جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی لوگوں کو آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں"

۴۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ

شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ (نسائی)

"اے اللہ میں نیک کاموں میں تجھ سے پختگی مانگتا ہوں اور بھلائی پر ثابت قدمی چاہتا ہوں۔ تیری نعمت کے شکر کا سائل ہوں۔ تیری بہترین عبادت کا خواہشمند ہوں تجھ سے سلیم دل اور سچی زبان مانگتا ہوں۔ تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو تیرے علم میں میرے لیے بہتر ہے اور جو چیز تیرے علم میں میرے لیے بری ہے اس سے پناہ چاہتا ہوں۔ نیز ان گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جنہیں صرف تو جانتا ہے"

فائدہ

اس دعا میں اللہ تعالے سے ثابت قدمی کی دعا مانگی گئی ہے۔ نیکی پر استقامت طلب کی گئی ہے اللہ کی نعمتوں پر شکر کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں کے لیے بخشش درخواست کی گئی ہے ہر خیر کی چاہت اور ہر شر سے استغفار طلب کی گئی ہے۔ اس دعا میں بڑی جامعیت ہے۔

سید الاستغفار

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (حصن حصین)

"اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے تیرے سوا کوئی میرا معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے عہد اور وعدہ کا اپنی طاقت کے مطابق پابند ہوں۔ میں اپنی کرتوت کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ تیری نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں میرے گناہ معاف فرما۔ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا"

فائدہ

اس دعا میں اللہ تعالے کی توحید الوہیت اور اس کی نعمت تخلیق کے ساتھ اپنی عبدیت اور غلامی کا اقرار کیا گیا ہے۔ پھر حسب استطاعت اللہ تعالے کے ساتھ کئے گئے

وعدوں کا اعتراف ہے۔ اپنی غلطیوں سے خدا تعالےٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے انعامات اور اپنی گنہگاریوں کا کھلا اقرار کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ سے بخشش طلب کی گئی ہے۔ گویا زندگی کے تمام مراحل اور ذمہ داریاں اور ان میں اپنی کمزوریوں کا اقرار کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ سے مغفرت کی درخواست کی گئی ہے اور اسی لیے اسے سیدالاستغفار فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی بڑی جامع دعا ہے۔ تشہد کے علاوہ بھی اس قسم کی جامع دعاؤں کو پڑھتے رہنا چاہیئے۔ ایسے کلمات اللہ تعالےٰ کی رحمت کے لیے جاذب ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس کے علاوہ اور دعائیں بھی مرقوم ہیں۔

سلام

ضروری وظائف اور ادعیہ سے فراغت کے بعد بارگاہ ایزدی سے انسان رخصت ہوتا ہے اور واپس ہوتے ہوئے سلام عرض کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ (مشکوۃ)

تکبیر تحریمہ کے بعد دنیا کے سب کام حرام ہو جاتے ہیں اور سلام کے بعد دنیا کے اور کام حلال ہو جاتے ہیں۔

نماز سے فراغت کا یہی صحیح اور مسنون طریقہ ہے اس کے علاوہ جو طریق اختیار کیا جائے وہ خلافِ سنت ہوگا اور اس سبب نماز میں نقص لازم آئے گا۔ سلام کے الفاظ یہ ہیں

یہ کلمہ دائیں اور بائیں منہ پھیر کر کہے۔ اس پر نماز تمام ہوگئی۔ اگر مقتدی تھا تو سلام کے بعد امام کے ساتھ تعلق ختم ہوگیا۔ اس کے بعد جو ذکر اور دعائیں کی جائیں ان میں امام کی اقتدار کو کوئی دخل نہیں۔ نہ ہی نماز کے بعد (مروجہ طریقے سے) دعا کرنا ضروری ہے۔

وائل رضہ بن حجر فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ فرماتے۔ (ابو داؤد)

بائیں طرف رخ پھیر کر بھی اسی طرح سلام کہتے۔

بعدِ نماز کے اذکار اور دُعائیں

حضرت ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ تکبیر بلند آواز سے کہتے ہم سمجھ جاتے کہ نماز ختم ہوگئی۔

حضرت ثوبان رضؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تین دفعہ استغفار کرتے اور فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (مسلم)

"اے اللہ تو ہی سلامتی دینے والا ہے۔ سلامتی کا ظہور تجھ سے ہوتا ہے، تو برتر اور بزرگ ہے۔ تو بڑا ہی بابرکت ہے۔"

حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا فرماتے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (بخاری ومسلم)

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمام ملک اسی کا، تمام حمد اسی کی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ جو چیز تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ کسی دولت مند کو تیرے پاس دولت قطعاً مفید نہیں۔"

عبداللہ بن زبیر رضؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اونچی آواز سے فرماتے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا حمد اسی کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ نیکی کرنے کی طاقت برائی سے بچنے کی ہمت اسی کی عنایت سے ہے۔ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ سب نعمتیں اور ساری فضیلتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ اسی کے لیے بہترین تعریف ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں گو اہل کفر اسے ناپسند کریں۔"

ان تمام اذکار میں اللہ تعالیٰ کی توحید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا ذکر ہے جن سے انسان کسی وقت بھی فارغ نہیں ہو سکتا۔ عبادت کی توفیق خود ایک نعمت ہے اور اس کی طرف راہنمائی یہ بھی اس کا احسان ہے اور ان انعامات کا تذکرہ اور غلطی کا اعتراف یہ بھی عبادت ہے۔

نیز ذیل کی تسبیحات بھی فرض نمازوں کے بعد مسنون ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ ۳۳ دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۳۳ دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۳ دفعہ صحیح مسلم کی روایت میں ۳۴ دفعہ تکبیر کا ذکر مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ۹۹ تسبیحات کے بعد یہ پڑھتے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (مسلم)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تمام ملک اسی کا ہے۔ ہر حمد اسی کے لیے ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

سمندر کی جھاگ کے برابر بھی اگر گناہ ہوں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

زید رضی بن ثابت سے مروی ہے تسبیح تکبیر تحمید ہر ایک پچیس دفعہ پڑھے، اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پچیس دفعہ پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند

فرمایا۔ (احمد، نسائی، دارمی)

فائدہ نمبرا

اس موضوع پر ائمہ سنت نے متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً

الکلم الطیب (ابن تیمیہ) الوابل الصیب بالکلم الطیب (ابن قیمؒ) حصن حصین (للجزریؒ) الحزب الاعظم (للعلی لقاریؒ) نزل الابرار (نواب صدیق حسن خانؒ) تحفۃ الذاکرین (شوکانیؒ) الاذکار (للامام النواویؒ) اور الحزب المقبول۔

ناظرین کو ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور مسنون ادعیہ اپنے اپنے اوقات میں پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ مسنون دعاؤں میں بڑی برکت ہے۔

فائدہ نمبر۲

مندرجہ بالا دعاؤں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق دعا ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے۔ گنہگار خدا کے روبرو اپنی غلطیوں کا اقرار کرتا ہے، معافی چاہتا ہے۔ عجز و نیاز اور توبہ و استغفار کرتا ہے نہ کوئی وسیلہ تلاش کرتا ہے نہ کوئی واسطہ ڈھونڈھتا ہے۔ حرمت، طفیل، وسیلہ، واسطہ کا ان دعاؤں میں کوئی ذکر نہیں اگر کہیں آیا ہے تو ایسی روایات محدثانہ جرح اور تنقید سے خالی نہیں۔ قرآن عزیز میں بھی جہاں دعائیں مذکور ہیں وہ بھی صرف اللہ سے کی گئی ہیں۔ یہی دعا کا صحیح طریقہ ہے۔ قرآن عزیز کا ارشاد ہے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (حٰم المومن)

"مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبولیت بخشتا ہوں"

سورۂ فاتحہ میں روزانہ کئی دفعہ اقرار کیا جاتا ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بوقت ضرورت اسی کی مدد چاہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات مبارکہ اسی اقرار کی عملی صورت ہے۔

مسنون ادعیہ کے الفاظ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ان میں تو کسی

لفظی یا معنوی غلطی کا امکان ہی نہیں۔ اپنے لفظوں اور اپنی زبان میں جو دعائیں کی جائیں ان میں بھی یہ اشارہ ملحوظ ہونا چاہیئے کہ غیر اللہ سے کچھ نہ مانگا جائے۔

سنن راتبہ (موکدہ)

فرائض کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ بارہ رکعات سنن بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی فِیْ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ اِثْنَتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً بُنِیَ لَہٗ بَیْتٌ فِی الْجَنَّۃِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّھْرِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَھَا وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَکْعَتَیْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَکْعَتَیْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ (رواہ الترمذی)

"حضرت ام حبیبہؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعت (سنت) پڑھے۔ اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد اور دو رکعت عشا کے بعد دو رکعت صبح سے پہلے"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ظہر سے پہلے دو رکعت بھی مروی ہیں۔ اس صورت میں یہ تعداد دس ہوگی۔ اسی طرح حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے۔ ایک روایت میں دو رکعت بھی مروی ہیں۔ یہ تمام سنتیں ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عموماً فرائض سے پہلے یا پیچھے ادا فرماتے تھے بعض احادیث میں مغرب سے پہلے بھی دو رکعت ادا کرنے کا ذکر آیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی فرمایا۔

بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ لِّمَنْ شَاءَ (مشکوۃ)

"اذان اور تکبیر کے درمیان نماز ہے جو چاہے پڑھے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوافل سے فرضوں کی کمی پوری کی جائے گی۔ (مشکوۃ)

اس لیے نوافل کو پابندی اور اہتمام سے پڑھا جانا چاہیئے۔

تہجد یا قیام لیل

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرائض اور سنن راتبہ کے علاوہ بھی نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ان نوافل میں سب سے زیادہ اہتمام رات کے قیام کے متعلق فرماتے۔ قرآنِ عزیز میں بھی اس کی ترغیب موجود ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (اسراء)

"رات کو تہجد پڑھو۔ یہ فرائض کے علاوہ اور زیادہ ہے"

احادیث میں اس کی کثرت سے ترغیب دلائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سفر اور حضر میں ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ سفر میں سواری پر ادا فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت ابوامامہ رضؓ سے مروی ہے کہ رات کے قیام کا التزام کرو یہ پہلے صالحین کا طریقہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات کے درمیانی حصّہ میں انسان اللہ تعالےٰ کے بہت قریب ہوتا ہے۔ اگر تم یہ قرب حاصل کر سکو تو ضرور کرو اور تہجّد کا التزام کرو۔

حضرت عائشہ رضؓ سے مرفوعاً متعدد احادیث مروی ہیں جن میں رکعات کی تعداد چھ، سات، نو، گیارہ، تیرہ تک مروی ہے۔ وقت اور ہمت کے لحاظ سے جس قدر پڑھ سکے شرعاً درست ہے۔ ان میں وتر بھی شامل ہیں۔ وتر دراصل نماز تہجد کا جزء ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر رات ہی میں پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ اگر پہلی رات پڑھنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر پہلی رات وتر ادا ہو جائیں تو دوبارہ وتر پڑھنا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَا وِتْرَانِ فِيْ لَيْلَةٍ (منتقی لمجد ابن تیمیہؒ)

"ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ پڑھے جائیں"

ویسے بھی وہ طاق نہیں رہیں گے بلکہ جوڑا ہو جائیں گے۔ بعض آثار میں وتر توڑنے

کا ذکر آیا ہے۔ یعنی سحری کے وقت ایک رکعت پڑھ کر شفع کر دے۔ پھر نوافل پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے، یہ بھی کمزور سی بات ہے۔ جب نماز ایک دفعہ ادا ہو گئی اسے دوبارہ پڑھنا درست نہیں[۱]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے اُٹھتے تو تسبیح و استغفار، کلمۂ توحید اور کئی دعائیں دیر تک پڑھتے رہتے۔ اور یہ دعا خاص طور پر پڑھتے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ. أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ (بخاری مسلم)

"ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لیے رات کو اُٹھتے یہ دعا فرماتے۔ اے اللہ تیرے لیے حمد ہے تو ہی آسمان اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے قائم رکھے ہوئے ہے۔ تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے اس کا نور تو ہی ہے اور حمد تیرے ہی لیے ہے آسمان اور زمین اور ان میں رہنے والوں کا تو ہی مالک ہے اور تیرے ہی لیے حمد ہے تو حق ہے تیرے وعدے حق ہیں۔ تیری ملاقات قطعی ہے۔ تیری بات حق ہے۔ جنت

---

[۱] تفصیل قیام اللیل (للمروزی) وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حق ہے۔ آگ حق ہے۔ تمام نبی سچے ہیں۔ آنحضرت سچے ہیں۔ قیامت یقینی ہے۔ اے اللہ میں تیرے ہی تابع ہوں۔ میں تیرے ساتھ ایمان لایا۔ میں نے تجھ پر توکل کیا۔ میں تیری طرف جھکتا ہوں۔ تیری وجہ سے جھگڑتا ہوں۔ تیرے فیصلے قبول کرتا ہوں میرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف فرمادے جو گناہ میں نے چھپ کر کیے اور جو ظاہر کیے۔ اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ تو ہی معبود ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

تہجد میں بے حد فضیلت ہے۔ اس کے التزام میں بڑی برکتیں ہیں۔ اس سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے۔ صحابہ، تابعین، ائمہ اسلام، صلحائے امت نے اسے زندگی کا لازمی شعار بنایا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس نماز کی پابندی کی توفیق مرحمت فرمائے۔

قیام رمضان یا تراویح

رمضان المبارک میں تراویح یا رمضان کا قیام یہ وہی نماز ہے جس کا ذکر پہلے تہجد کے نام سے ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے تمام سال پڑھتے تھے۔ رمضان المبارک میں اس قدر رعایت دی گئی ہے کہ سونے سے پہلے عشاء کی نماز کے ساتھ بھی پڑھی جا سکتی ہے اور رات کے آخری حصہ میں جاگنے کے بعد بھی پڑھ سکتا ہے فضیلت اسی میں ہے کہ رات کے آخری حصہ میں پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان میں فرائض کے علاوہ تراویح کے سوا کوئی نماز ثابت نہیں۔

بعض لوگ تراویح اور تہجد کو الگ الگ دو نمازیں سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے اس کی کوئی دلیل احادیث میں نہیں ملتی۔ یہ نماز بھی نفلی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اس کی ترغیب دیتے تھے۔ چند دن خود با جماعت پڑھائی پھر اس خطرہ سے کہ فرض نہ ہو جائے گھر میں ادا فرماتے رہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا عمل وتر سمیت گیارہ رکعت ہے۔ آٹھ تراویح اور تین وتر، عام عادت یہی تھی تہجد کی طرح اس میں بھی تعداد کی پابندی فرض نہیں۔ کم و بیش ہو جائیں تو بھی درست ہے۔

سنت نبوی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کا عام معمول آٹھ رکعت تراویح اور تین
ت وتر ہی رہا۔ صحیح بخاری میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّہٗ سَاَلَ عَائِشَۃَ کَیْفَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ قَالَتْ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِہِنَّ وَطُوْلِہِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ عَیْنَایَ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ (باب قیام رمضان نیز مؤطا محمد باب قیام رمضان ص۱۴۱)

"حضرت ابو سلمہ رض نے حضرت عائشہ رض سے دریافت کیا کہ رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کیا تھی۔ فرمایا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ چار چار رکعت اس طرح ادا فرماتے کہ ان کی لمبائی اور خوب صورتی کے متعلق مت پوچھیے۔ پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے حضرت عائشہ رض نے دریافت فرمایا حضرت! کیا آپ وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔"

گویا آٹھ رکعات چار چار کر کے پڑھیں اور بڑے اطمینان اور لمبے قیام سے ادا کیں، پھر تین وتر پڑھے یہ حسب سنت نبوی گیارہ رکعات ہوئیں۔

دیکھیے سائل نے رمضان المبارک کی نماز کی بابت دریافت کیا۔ چونکہ یہ نماز عام رات کی نماز سے مختلف نہ تھی اس لیے حضرت عائشہ رض نے جامع جواب عنایت فرمایا کہ جو تعداد اور کیفیت سارے سال میں اس نماز کی تھی وہی کیفیت۔ اور تعداد رمضان میں رہی۔ آخر میں تین رکعت، وتر پڑھ کر نماز ختم فرما دیتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سنت نبوی گیارہ رکعت ہی تھیں۔

حضرت ابوبکر رضہ کی خلافت میں جنگوں کی مشغولیت کی وجہ سے اس نفلی نماز کی طرف پوری توجہ نہ ہوسکی۔ لوگ انفراداً اپنے طور پر پڑھتے رہے۔ جماعت کا انتظام نہ کیا گیا حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں نسبتہً مدینہ میں سہولت اور آرام محسوس ہوا تو حضرت عمر رضہ نے اجتماعی طور پر نماز کا حکم فرمایا۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِیِّ اَنَّہٗ خَرَجَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَیْلَۃً فِیْ رَمَضَانَ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ یُصَلِّی الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ بِصَلٰوتِہِ الرَّھْطُ فَقَالَ عُمَرُ وَاللّٰہِ لَاَظُنُّنِیْ لَوْجَمَعْتُ ھٰؤُلَاءِ عَلٰی قَارِیٍٔ وَّاحِدٍ لَکَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَھُمْ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَہٗ لَیْلَۃً اُخْرٰی وَالنَّاسُ یُصَلُّوْنَ بِصَلٰوۃِ قَارِیِٔھِمْ فَقَالَ نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ وَالَّتِیْ یَنَامُوْنَ عَنْھَا خَیْرٌ مِّمَّا یَقُوْمُوْنَ یُرِیْدُ اٰخِرَ اللَّیْلِ وَالنَّاسُ یَقُوْمُوْنَ اَوَّلَہٗ (صحیح بخاری وموطا محمد ص ۱۴۲)

▪ عبدالرحمانؒ فرماتے ہیں وہ حضرت عمر رضہ کے ساتھ رمضان المبارک میں ایک رات مسجد کی طرف نکلے تو لوگ مختلف گروہوں کی صورت میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضہ نے فرمایا میرے خیال میں مناسب ہے کہ انہیں ایک امام پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ انہیں ابی بن کعب پر جمع کر دیا۔ پھر ایک رات نکلے اور لوگ امام کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے۔ فرمایا یہ کام از سر نو شروع ہوا۔ یہ بہتر ہے لیکن جب یہ سوتے ہیں وہ وقت اس پہلی رات سے بہتر ہے۔"

یہی واقعہ مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید سے مروی ہے اس میں بسلسلہ امامت ابی رضہ بن کعب اور تمیم داری رضہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جس میں بیان ہے کہ گیارہ رکعت پڑھائیں اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب ہم نماز تراویح سے فارغ ہوئے تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی گیارہ رکعت کا حکم فرمایا جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول تھا۔ بعض مرفوع روایات میں بیس رکعت کا ذکر آیا ہے۔ لیکن وہ روایت باتفاق ائمہ ضعیف ہے۔ بعض آثار میں اور بعض ائمہ سے بھی بیس رکعت اور اس سے زیادہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اگر کوئی بطور نوافل پڑھے تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ لیکن سنت نبوی میں بیس یا اس سے زیادہ کا ذکر نہیں۔

وتر

وتر رات کی نماز ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اسے عموماً تہجد کے ساتھ رات کے آخری حصہ میں پڑھتے تھے۔ پہلی رات عشاء کے ساتھ پڑھنے کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمادی ہے۔ (مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک، تین، یا پانچ رکعت تک وتر بھی مروی ہیں۔ (مشکوٰۃ)

تہجد کی پوری نماز کی آخری رکعت کی وجہ سے یہ ساری نماز بھی وتر کہلا سکتی ہے اس لیے وتروں کی تعداد سات، نو، گیارہ اور تیرہ بھی بعض روایات میں آئی ہے۔

توتر لہ ما قد صلی (مشکوٰۃ)

"یہ آخری رکعت ساری نماز کو وتر بنا دے گی"

امام محمد بن نصر مروزی نے زید رضی بن خالد جہنی سے روایت فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعت پر سلام پھیر کر بارہ رکعت ادا کرتے۔ پھر ایک وتر پڑھ کر ختم فرما دیتے یہ کل تیرہ رکعت ہوں گی۔ اس سے زیادہ تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

آخر میں امام مروزی فرماتے ہیں۔

فھذہ اخبار ثابتة عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا مطعن لاحد من اھل العلم بالاخبار فی اسانیدھا

وفیہا بیان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوتر برکعۃ

(قیام اللیل ص۱۱۸)

"یہ صحیح احادیث ہیں جن کی سند میں کوئی عیب نہیں۔ ان میں ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت وتر پڑھا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تین یا پانچ وتر پڑھتے تو درمیان میں تشہد نہ فرما اگر اس سے زیادہ تیرہ تک پڑھتے تو آخری رکعت سے پہلی میں تشہد بیٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور آخر رکعت میں تشہد، صلوٰۃ اور ادعیہ پڑھ کر سلام سے نماز ختم فرما دیتے لیکن افضل یہی ہے کہ دو دو رکعت پڑھتا جائے۔ آخر میں ایک رکعت[۱] پڑھ کر سلام کر دیتے۔

نماز کے بعض متفرق مسائل

سجدہ سہو

بھول انسانی مزاج کا لازمہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بھی بھول واقع ہوئی تاکہ اس میں بھی وہ امت کیلئے اسوہ بن سکیں۔ جس طرح وہ طریقہ اختیار فرمائیں اسی طرح امت بھی ان کی پیروی کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی (صحیح مسلم ص۲۱۲/۱۲۰)

"میں انسان ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ میں جب بھولوں مجھے یاد دلایا کرو"

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے لیے بھول کے مواقع مہیا فرمائے تاکہ بھول اور اس کی تلافی میں امت کے لیے نمونے قائم فرمائیں۔

---

[۱] امام محمد بن نصر مروزی رح نے فرمایا فقہاء عراق نے ایک رکعت وتر کا اس لیے انکار کیا کہ ان کی نظر حدیث پر کم ہے اور انہیں ائمہ حدیث کی خدمت میں بیٹھنے اور استفادہ کا موقع نہیں ملا (قیام اللیل ص ۲۲ طبع ملتان)

نماز میں اگر بھول ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کی تلافی اور اصلاح کے لیے آخر میں سلام کے وقت دو سجدے کر لیے جائیں۔ یہ غلطی کی قضا ہو گی اور بھول کا کفارہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مواقع میں بھول ہوئی۔ اسی سے ائمہ اسلام نے سجدہ سہو کے مسائل کا استخراج فرمایا ہے۔

احادیث میں سجدہ سہو کا ذکر دو طرح آیا ہے۔ آخری سلام سے پہلے یا سلام کے بعد۔ امام شافعی رح سلام سے پہلے پسند فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح سلام کے بعد۔ امام مالک رح کا خیال ہے اگر نماز میں کمی کا شبہ ہو تو سلام کے بعد کرنا چاہیئے اگر زیادہ کا خیال ہو تو سلام سے پہلے کرے۔ فقہائے اہل حدیث فرماتے ہیں دونوں طرح درست ہے کسی صورت کی تخصیص اور پابندی کی کوئی وجہ نہیں۔ (جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی)

احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی سنن کے ترک پر سجدہ فرماتے تھے۔

اگر نماز میں شک ہو جائے تو پہلے کمی یا بیشی کے متعلق دل میں یقین کرے اگر کمی ہو تو نماز پوری کر کے سجدہ سہو کرے اگر زیادہ ہو تو اسی طرح سجدہ سہو کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو متعدد مقامات پر مروی ہے۔

اوّل جہاں رکعات کی تعداد یا کسی رکن کی ادائیگی میں شبہ ہو۔

دوئم کوئی رکعت زیادہ پڑھی جائے یا کوئی رکن زیادہ ہو جائے۔

سوئم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ جب آپ کو بتایا گیا تو باقی دو رکعت ادا کر کے سجدہ سہو فرمایا۔ (بخاری)

چہارم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے یا درمیانہ تشہد بھول گئے۔ آپ نے سجدہ سہو فرمایا۔ ان تمام صورتوں کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔ (نسائی، مسلم، ترمذی)

اگر نماز میں بھول ہو جائے اور نماز میں اس کی اطلاع نہ ہو سکے نماز ختم ہونے کے بعد معلوم ہو کر کوئی غلطی ہوئی اس کے متعلق تحقیق کے طور پر جو گفتگو ہو نماز میں اس

سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ نماز کی تکمیل کے بعد سجدہ سہو کرلیا جائے۔ جس طرح ذوالیدین کی حدیث سے ظاہر ہے۔

سجدۂ سہو میں وہی دعائیں پڑھی جائیں جو عموماً سجود میں پڑھی جاتی ہیں۔

سجدۂ تلاوت

کئی سورتوں میں سجود کا ذکر ہے۔ جب ان آیات کو پڑھے یا ارادۃً سنے تو سجدہ کرنا مسنون ہے۔ پڑھنے اور سننے والے دونوں سجدہ کریں۔ بعض ائمہ کے نزدیک چودہ سجدے ہیں۔ بعض کے نزدیک پندرہ۔ بعض علماء سجدہ کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ سجدہ کی فضیلت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وجوب کی بظاہر کوئی دلیل معلوم نہیں ہوتی۔ صحیح بخاری ص ۱۴۷ جلد اول میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔

قَرَءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِسُوْرَةِ النَّحْلِ حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ نَزَلَ فَسَجَدَ وَسَجَدَ النَّاسُ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتّٰى إِذَا جَاءَتِ السَّجْدَةُ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ولم يسجد عمر وزاد نافع عن ابن عمر ان الله لم يفرض السجود الا ان نشاء اھ

"حضرت عمرؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل پڑھی۔ جب سجدہ آیا تو سب نے سجدہ کیا۔ آئندہ جمعہ پھر یہی سورت پڑھی جب سجدہ آیا تو فرمایا جو سجدہ کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور خود حضرت عمرؓ نے سجدہ نہ کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ سجدے فرض نہیں ہیں۔ اپنی مرضی ہے کریں یا نہ کریں۔"

سجدہ باوضو قبلہ رخ ہو کر کرنا چاہیئے۔ اگر سواری کی وجہ سے قبلہ رخ نہ ہو سکے تو جس طرف رخ ہو سجدہ کرے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ سجدہ تلاوت بلا وضو بھی درست

ہے۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

عورت اور مرد کی نماز

بعض اہل علم نے عورت اور مرد کی نماز میں فرق بیان فرمایا ہے یعنی سجود میں مرد کے بازو، پیٹ اور رانیں الگ الگ رہیں۔ رانوں پر پیٹ کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ مرفوع صحیح احادیث میں اس تفریق کا ذکر نہیں البتہ بعض موقوف آثار میں یہ تذکرہ آیا ہے۔

عن ابن عباس انہ سئل عن صلوۃ المرءۃ قال تجتمع و تحتفز (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۲۷۰ ج جلد ۱)

"حضرت ابن عباس رضؓ سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اکٹھی ہو کر سکڑ کر نماز پڑھے"

اس قسم کے آثار بعض تابعین سے بھی منقول ہیں لیکن اسانید ان کی بھی غیر محفوظ ہیں۔ مردوں کے متعلق صحیح مرفوع احادیث میں منقول ہے کہ سجدہ میں پیٹ رانوں سے الگ رکھا جائے۔ اور بازو پہلوؤں سے جدا رہیں۔ لیکن بعض صحابہ رضؓ سے منقول ہے کہ وہ کوہنیوں کو رانوں پر ٹیک لیتے تھے۔ یہ آثار یا عذر کی حالت پر محمول ہوں گے یا رخصت پر۔

عَنْ قَیْسِ بن السکن قَالَ کُلّ ذٰلِکَ کَانُوا یَفْعَلُوْنَ یَنْضَمُّوْنَ وَ یَتَجَافُوْنَ کَانَ بَعْضُھُمْ یَنْضَمُّ وَ بَعْضُھُمْ یَتَجَافیٰ (مصنف ص۲۵۹ / ۱۲۷)

"قیس بن سکن رضؓ فرماتے ہیں صحابہ رضؓ اعضا جدا جدا بھی رکھتے تھے کبھی جوڑ کر بھی رکھتے تھے"

غرض اس معاملے میں تشدد نہ تھا۔ اصل صورت وہی ہے جو مرفوع احادیث میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ عذر اور رخصت پر محمول ہوگا۔ احناف میں رواج ہے عورتیں سینہ پر ہاتھ رکھیں۔ اور مرد ناف کے نیچے یہ فرق بھی کسی صحیح حدیث میں نہیں۔

سفر کی نماز

قصر کرنا

سفر اور خوف کی حالت میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (النساء)

"سفر میں اگر تم کو دشمن کا ڈر ہو تو نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں"

قرآن عزیز نے سفر میں بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت دی ہے۔ فتح مکہ کے بعد صحابہ رضہ نے دریافت فرمایا کہ اب تو کوئی خوف نہیں کیا اب بھی سفر میں قصر کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا۔

صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ (ابوداؤد مع عون ص۴۶۵/۱۴)

"یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے۔ خوف نہ ہو تو بھی قصر درست ہے۔"

مسافت

سفر کی مسافت میں اختلاف ہے۔ آیت مذکورہ میں مطلق سفر میں قصر کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔ یہ عرف پر موقوف ہے کہ وہ سفر کسے کہتے ہیں۔ حافظ ابن حزم رح نے یہی راہ پسند فرمائی ہے۔ (محلی ابن حزم ص۲۱ جلد۵)

بعض علماء فرماتے ہیں اڑتالیس میل سفر میں قصر درست ہے۔ بعض کا خیال ہے چھتیس میل[1] پر قصر صحیح ہے۔ بعض نو میل[2] پر قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ ان تمام مسالک کے لیے احادیث میں گنجائش ملتی ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ نو میل پر قصر

---

[1] بعض صحابہ رضہ سے ۳۶، ۴۸، ۱۰۰، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۶ میل مسافت کی مختلف روایات منقول ہیں۔ محلی ص ۵ جلد۵)

[2] جو ہمارے نو کوس ہوتے ہیں۔ حجاز کا میل ہمارے میل سے بڑا ہوتا ہے۔

درست ہے۔ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر تو تین سو میل سے زیادہ تھا لیکن اہل مکہ نے آپ کے ساتھ منیٰ میں نماز قصر کی۔ اہل مکہ کے لیے یہ سفر نو میل سے زیادہ نہیں حارثہ بن وہب رض فرماتے ہیں۔

صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم آمن ما کان بمنی رکعتین
(صحیح بخاری ص۱۴۷)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بحالتِ امن منیٰ میں دو رکعت پڑھائیں"

صحابہ رض میں اہل مکہ اور دوسرے صحابہ رض سب شامل تھے۔ مسئلہ میں تحقیق کے لیے فقہائے حدیث کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔ (جیسے نیل الاوطار، زاد المعاد، احکام السفر امام ابن تیمیہ، دلیل الطالب الی ارجح المطالب وغیرہ)۔

میعادِ سفر

اگر کسی جگہ انیس دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِسْعَۃَ عَشَرَ یَقْصُرُ فَنَحْنُ اِذَا سَافَرْنَا تِسْعَۃَ عَشَرَ قَصَرْنَا وَاِنْ زِدْنَا اَتْمَمْنَا (صحیح بخاری ص۱۴۷ ج۱)

"ابن عباس رض فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں انیس دن ٹھہرے اور نماز قصر فرمائی۔ ہم بھی انیس دن تک قصر کرتے ہیں۔ اگر زیادہ دیر ٹھہرنا ہو تو نماز پوری پڑھتے ہیں"

بعض علماء کا خیال ہے کہ چار دن اقامت کے بعد پوری نماز ادا کرنی چاہیئے۔ عارضی اقامت کے متعلق علماء سے اور اقوال بھی منقول ہیں۔ ان تمام دلائل پر یہاں بحث کی گنجائش نہیں۔ راجح یہی قول معلوم ہوتا ہے کہ اگر تذبذب کی حالت میں ہو معلوم نہ ہو کب سفر شروع ہو جائے۔ چاہے مہینے گذر جائیں تو نماز قصر کرنا درست ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض آذربائیجان تشریف لائے۔ واپسی کا ارادہ کیا تو برف باری شروع ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر برف باری کا پورا موسم قصر فرماتے رہے۔ (زاد المعاد)

لمبے سفر کے لیے جب مسافر نکلے تو اپنی بستی کی حدود سے نکل کر اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز قصر کرنا درست ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے مدینہ منوّرہ سے رخصت ہوئے ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں پوری پڑھی ۔ عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں قصر پڑھی ۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے تین میل (کوس) پر ہے ۔ آج کل ابیار علی کے نام سے مشہور ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر لمبا تھا ۔ مدینہ منوّرہ کی حدود سے نکل کر عصر کا وقت ذوالحلیفہ میں آیا ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز قصر فرمائی ۔ (بخاری، مسلم)

سفر میں قصر کرنا افضل ہے ۔ جس نماز کے چار فرض ہیں دو پڑھے جائیں ، صبح اور مغرب کی نماز قصر نہیں ہوں گی ۔ وہ بدستور دو اور تین رکعت پڑھی جائیں گی ۔ اگر کوئی پوری نماز ادا کرنا چاہے تو بھی درست ہے ۔ قرآن عزیز میں فرمایا ۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۔

"تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں "

ان الفاظ سے قصر کا وجوب ثابت نہیں ہوتا ۔ حضرت عثمان رضہ اور حضرت عائشہ رضہ بھی اتمام کو جائز سمجھتے تھے ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ قصر کو ترجیح دیتے تھے ۔

سفر میں مؤکدہ سنتیں پڑھنا ضروری نہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر سفر جاری ہوتا تو سنتیں نہیں پڑھتے ۔ اگر منزل پر اُترتے تو سنتیں پڑھ لیتے ۔ البتہ فجر کی سنتیں اور وتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ترک نہیں فرماتے تھے ۔ (زاد المعاد وغیرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد سفر میں سواری پر ادا کرتے ۔ قبلہ رُخ ہو کر نماز شروع کر لیتے پھر سواری کا رُخ جس طرف جانا ہوتا پھیر لیتے اور نماز پڑھتے رہتے لیکن فرض سواری پر نہیں پڑھتے تھے بلکہ زمین پر ادا کرتے ۔ (مشکوٰۃ وغیرہ)

نمازیں جمع کرنا

قرآن عزیز میں ارشاد ہے ۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا (النساء)

"اہل ایمان پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے"

اوقات کی تعیین اول اور آخر کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت میں فرمائی صحیح یہی ہے کہ نماز اول وقت میں پڑھی جائے۔ آخر وقت میں ایک ذمہ داری ادا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں ہو گی۔ اسی طرح کسی عذر کے بغیر دو نمازیں جمع کرنا بھی درست نہیں۔ حضرت عمرؓ سے موقوفاً منقول ہے جس نے دو نمازیں بلا عذر جمع کیں اس نے کبیرہ گناہ کیا۔ (بیہقی ص ۱۶۹ جلد ۳ مستدرک حاکم جلد اول)

لیکن ضرورت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جمع کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ پہلی نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھے۔

۲۔ دوسری نماز کو پہلی کے وقت میں پڑھے۔

۳۔ ایک آخر وقت میں دوسری اول وقت میں پڑھے۔

اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ جمع کی ان تینوں صورتوں کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَّثَمَانِيًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ قَالَ اَيُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِيْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ (صحیح بخاری ص ۷۸ ج ۱)

"حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات اور آٹھ رکعت اکٹھی پڑھیں یعنی ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء، ایوبؒ فرماتے ہیں غالباً اس رات بارش تھی"

عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اَخْبَرَهٗ اَنَّهُمْ خَرَجُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ تَبُوْكَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فَاَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الظُّهْرَ

وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ دَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ

(نسائی مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۶۹ ج۱)

"عامر بن واثلہ معاذ بن جبل رض سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جمع کرتے تھے۔ آپ نے ایک دن ظہر کو مؤخر کیا اور ظہر اور عصر دونوں اکٹھی پڑھیں پھر گھر گئے اور واپس آکر مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھیں۔"

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا جَمِيعًا وَسَبْعًا جَمِيعًا وَأَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ۔

(نسائی ص ۶۹)

"ابن عباس رض فرماتے ہیں میں نے آپ کے ساتھ آٹھ رکعات اور سات رکعت اکٹھی پڑھیں۔ آپ نے ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو جلدی پڑھا۔ مغرب کو مؤخر کیا اور عشاء کو جلدی پڑھا۔"

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَهُوَ فِي مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِذَا لَمْ تَزُلْ حَتّٰى يَرْتَحِلَ سَارَ حَتّٰى إِذَا دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ نَزَلَ فَجَمَعَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَإِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَهُوَ فِي مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِذَا لَمْ تَغِبْ حَتّٰى يَرْتَحِلَ سَارَ حَتّٰى إِذَا أَتَى الْعَتَمَةَ فَجَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ (سنن کبریٰ ص ۱۶۳ ج۳)

"ابن عباس رض فرماتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد سفر شروع فرماتے تو عصر کو ظہر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر زوال سے پہلے سفر فرماتے تو ظہر کو عصر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر غروب کے بعد سفر شروع کرتے تو عشاء کو مغرب کے

ساتھ اسی کے وقت میں پڑھتے اور جب غروب سے پہلے سفر کرتے تو مغرب کو
عشاء کے ساتھ ادا کرتے۔"

فائدہ

پہلی حدیث اور تیسری میں جمع صوری کا ذکر ہے یعنی دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا ہوئیں۔ پہلی آخری وقت میں اور دوسری اوّل وقت میں۔

دوسری حدیث میں جمع تاخیر کا ذکر ہے یعنی پہلی نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا"

چوتھی حدیث میں جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کا ذکر ہے۔ یہ سب صورتیں شرعاً درست ہیں۔

بعض علماء جمع کو پسند نہیں فرماتے ان کا خیال ہے جمع تقدیم اور تاخیر میں ایک نماز ضرور بے وقت ہوگی اور شرعاً وقت کی پابندی ضروری ہے۔ جمع تقدیم میں ایک نماز قبل از وقت ہوگی یہ درست نہیں۔ اس کے متعلق گذارش ہے کہ جس طرح عذر کے بغیر اوقات مقرر کیے گئے ہیں اسی طرح عذر کے لیے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وقت مقرر فرمائے ہیں اس لیے بے وقت کوئی بھی نہیں۔ پھر یہ معذور پر اللہ تعالےٰ کا احسان ہے۔ احسان اور انعام کے لیے یہ پابندیاں نہیں ہوتیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع کی یہ صورتیں ثابت ہیں۔ پھر یہ موشگافیاں اور اعتراضات احادیث پر وارد ہوں گے۔ متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

نماز کی قضا

نماز کا وقت گذر جائے اور نماز ادا نہ کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ جرم ہے ترکِ نماز کے لیے جو وعید آئی ہے ایسا آدمی اس کا مستحق ہوگا۔ بعض اہل علم کا خیال ہے اگر یہ نماز وقت کے بعد بھی پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی اور اس گناہ کی بھی تلافی ہو جائے گی۔ حافظ ابن البر کا یہی خیال ہے، اس کی تائید میں انہوں نے کئی دلائل پیش کیے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر بے وقت پڑھی گئی نماز وقتی نماز کی جگہ شمار ہو جائے تو

نماز کے ترک کرنے کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔ بلکہ اوقات کے مقرر کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا نہ اس پر کفر یا فسق کے فتوے کا کوئی مطلب ہوگا۔ امام ابن عبدالبر کے دلائل کی تفصیل اور ان کے جواب کا تو یہ موقع نہیں۔ اصل مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

نماز کے ترک کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔ بلا وجہ اور عذر شرعی کے بغیر نماز کا وقت گذر جائے۔

۲۔ سو جائے۔

۳۔ بھول جائے۔

۴۔ کسی دینی کام میں مشغول ہو جائے (جہاد، مسلمانوں میں صلح وغیرہ)

۵۔ بس گاڑی وغیرہ میں کوشش کے باوجود نماز کا موقع نہ مل سکے۔

پہلی صورت جس میں کسی عذر کے بغیر سہل انگاری سے نماز ترک ہوئی عمداً ترک میں شامل ہے۔ اس کے لیے کوئی قضا نہیں۔ یہ بھی مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا میں شامل ہے۔ اس کا توبۂ نصوح کے سوا کوئی علاج نہیں۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عمرؓ کو وصیت فرمائی۔

۱۔ انی موصیك بوصیة ان حفظتها ان للّٰهِ حقا بالنهار لا یقبله باللیل وحقا باللیل لا یقبله بالنهار وانها لا تقبل نافلة حتّٰی تؤدی الفریضة (کتاب الصلوٰۃ ابن قیم ص۲۲۳)

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اگر تم اسے یاد رکھو، اللہ تعالےٰ دن کے حق رات کو قبول نہیں فرماتا اور رات کے دن کو منظور نہیں فرماتا اور جب تک فرض ادا نہ ہوں نفل قطعاً قبول نہیں کیے جاتے"

۲۔ قرآن عزیز میں ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔

"اہل ایمان پر نماز بقید وقت مقرر کی گئی ہے"

۳۔ جب نماز فرض ہوئی اسی صبح کو جبریلؑ تشریف لائے۔ دو دن تک اوقات کے اوّل و آخر کو وضاحت سے بیان فرما کر ذکر فرمایا۔

اَلْوَقْتُ بَیْنَ ھٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔

"صحیح وقت ان دونوں اوقات کے درمیان ہے"

پہلے اور آخر وقت میں نماز ادا فرما کر فرمایا۔

۴۔ صحیح احادیث میں نماز کے اوقات کی پوری تفصیل مرقوم ہے اور وقت کی اہمیت اوّل آخر اور اوسط کا تذکرہ مذکور ہے۔ (مشکوٰۃ)

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت کو نماز اور اس کے وجوب کے ساتھ کس قدر تعلق ہے فقہاء کرام رحمھم اللہ نے نماز کے اوقات جس تفصیل سے لکھے اس میں جزوی اختلافات کو جس طرح واضح فرمایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادائے نماز کے سلسلہ میں وقت کو کتنا دخل ہے۔ اگر عمداً وقت ضائع کر دیا جائے پھر اس کی تلافی کے لیے بے وقت نماز کی اجازت دے دی جائے تو کتاب و سنّت اور ائمہ سلف کے تفصیلی ارشادات معنوی طور پر بےکار اور بے سود ہو جائیں گے۔ باقی صورتوں میں جن عذروں کی وجہ سے نماز ادا نہیں ہو سکی اُن ساری صورتوں میں ضروری ہے کہ جب عذر دور ہو جائے نماز ادا کرے اسے قضا کہہ لیجئے۔ اس لیے کہ عام متعارف وقت عذر کی وجہ سے ضائع ہو گیا یا اسے بروقت نماز کہہ لیجئے کیونکہ شریعت نے اس کے لیے یہی وقت مقرر فرمایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

۲۔ عَنْ انس بن مالک قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَسِیَ صَلٰوۃً اَوْ نَامَ عَنْھَا فَکَفَّارَتُھَا اَنْ یُّصَلِّیَھَا اِذَا ذَکَرَھَا (صحیح مسلم ص۲۴۱ ج۱، ترمذی ص۱۵۸ ج۱) قال الترمذی حدیث انس حدیث حسن صحیح)

"حضرت انس رضؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی نماز پڑھنا بھول جائے یا سو جائے اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسی وقت

اسے ادا کرے۔ ترمذی فرماتے ہیں اس کی حدیث حسن صحیح ہے "

عَنْ انس رفعًا اذا رقد احدکم عن الصلوٰۃ او غفل عنھا فلیصلھا اذا ذکرھا فان اللہ یقول اقم الصلوٰۃ لذکری (مسلم ص۲۴۱)

" جب کوئی نماز سے سو جائے یا غافل ہو جائے اسے جب یاد آ جائے اسی وقت پڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نماز میرے ذکر کے لیے پڑھو "

عن ابی قتادۃ رفعًا اما انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط علی من لم یصل الصلوٰۃ حتی یجیٔ وقت الاخری فمن فعل ذلک فلیصلھا حین ینتبہ لھا (مسلم فی حدیث طویل ص۲۳۹ ج ۱ ترمذی ص۱۵۷ ج ۱)

" نیند میں کوئی گناہ نہیں۔ گناہ اس میں ہے کہ آدمی نماز میں عمداً اتنی دیر کرے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے جو سو جائے اسے چاہیئے وہ جب بیدار ہو اسی وقت نماز ادا کرے "

امام ترمذی حضرت انس رض کی حدیث کی تصحیح کے بعد فرماتے ہیں۔

یروی عن علی ابن ابی طالب انہ قال فی الرجل ینسی الصلوٰۃ یصلیھا متی ذکرھا فی وقت او غیر وقت۔

" جو آدمی نماز بھول جائے جب اسے یاد آئے اسی وقت پڑھے مناسب وقت ہو یا ممنوع وقت "

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ ممنوع وقت میں نماز نہ پڑھے بلکہ سورج کے طلوع یا غروب کے بعد پڑھے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ اور حضرت علی رض کے ارشاد کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جلد سے جلد پڑھے بلا ضرورت تاخیر نہ کرے۔

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضاء کی اجازت ان لوگوں کے لیے ہے جن سے کسی عذر کے سبب نماز کا وقت گذر جائے۔ جان بوجھ کر نماز ضائع کرنے والوں کو یہ رعایت نہیں دی گئی وہ مجرم ہیں۔ سالہا سال اگر نماز نہ پڑھی ہو تو بھی مجرم ہے۔ اور جو

ایک دو نمازیں جان بوجھ کر چھوڑ دے وہ بھی مجرم ہے اسے توبہ کرنی چاہیئے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کا کوئی کفارہ نہیں۔ بعض عبادات میں کھانے کی صورت میں کفارہ جائز ہے جیسے روزہ۔ بعض میں بدل کی صورت میں جیسے حج لیکن نماز میں اس قسم کی کوئی رعایت نہیں۔ فقہار نے جو اسقاط کی کئی قسمیں لکھی ہیں۔ یہ سب بے دلیل ہیں[1]۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسے فوراً ممکن عجلت سے ادا کرنا چاہیئے۔ گو بعض ائمہ نے بقدرِ ضرورت تاخیر کی اجازت دی ہے لیکن اکثر احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جلد سے جلد ادا کرے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسے متعارف وقت کے لحاظ سے قضا کہا جا سکتا ہے ورنہ دراصل اسکا وقت یہی ہے۔ حدیث کے الفاظ

فلیصلہ حین ینتبہ

"جب اسے ہوش آئے اسی وقت پڑھے"

میں یہ صراحت ہے کہ معذور کے لیے یہی ہے۔

حافظ ابن القیم رح نے فرمایا۔

ان المعذور بنوم او نسیان لم یصل الصلوٰۃ فی غیر وقتھا بل فی نفس وقتھا الذی وقتہ اللہ لہ فان الوقت فی حق ھذا حین یستیقظ ویذکر کما قال صلی اللہ علیہ وسلم من نسی[2] صلوٰۃ فوقتھا اذا ذکرھا رواہ البیہقی والدارقطنی

---

[1] فقہ کی بعض کتابوں میں نماز کے ساقط کرنے کے لیے غلہ کی کچھ مقدار بتائی گئی ہے۔ بعض قرآن مجید اور کچھ حقیر سی رقم حیلہ کے طور پر میت کے پاس ایک دوسرے کے سپرد کرتے ہیں بالآخر وہ قرآن اور رقم امام کے قبضے میں آجاتی ہے۔ شامی نے کتاب الجنائز کے آخر میں کفن، عمامہ وغیرہ پر لکھنا اور اس قسم کے حیل کا ذکر کیا ہے یہ سب بے دلیل ہیں اکثر محض توہمات ہیں۔ شوافع اس معاملہ میں متاخرین احناف سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ [2] حدیث کے الفاظ یہ سنن کبریٰ اور دار قطنی کے

وقد تقدم فالوقت وقتان وقت اختیار ووقت عذر فوقت المعذور بنوم او سہو ھو وقت ذکرہ واستیقاظہ اھ (کتاب الصلوٰۃ ص۳۵ ج۲)

"جس معذور نے نیند یا بھول کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی اس نے نماز بے وقت نہیں پڑھی۔ کیونکہ جب بیدار ہوا یا اسے یاد آیا اس کے لیے یہی وقت ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گویا وقت کی دو قسمیں ہوں گی، عذر کا وقت، اور اختیار کا وقت۔ معذور کا وہی وقت ہوگا جب اس کا عذر دُور ہو جائے۔"

اس وضاحت کے بعد فقہاء رحمہم اللہ نے قضا نماز کے متعلق جو تفصیلات کتبِ فقہ میں ذکر فرمائی ہیں۔ اکثر کی چنداں ضرورت نہیں رہے گی۔ اس مقام پر بھی قضا کا لفظ صرف بطور اصطلاح استعمال ہوگا ورنہ یہ بھی بروقت نماز کی صورت ہوگی۔

فائدہ

یہ بھی واضح ہو جانا چاہیئے کہ عام کاروباری حضرات اور بعض دوسرے لوگ سُستی اور تساہل یا کاروبار میں معمول سے زیادہ شغل کی صورت میں نماز میں اتنی دیر کر دیتے ہیں کہ وقت گذر جاتا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ نماز قضا کر لی جائے گی۔ اس قسم کی تاخیر میں قضا کا کوئی مسئلہ نہیں خواہ کتنا شغل کیوں نہ ہو۔ طبیعت کو عادت ڈالیں کہ نماز اوّل وقت میں ادا کی جائے۔

جمعۃ المبارک

جمعہ ہر عقل مند بالغ مرد پر فرض ہے۔ شہر میں ہو یا دیہات میں۔ قرآن عزیز میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے البتہ ان کا مفہوم احادیث میں موجود ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ کسی دوسرے نسخہ میں ہوں یا حافظ ابن القیم نے روایت بالمعنی سے کام لیا ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (الجمعہ)

"اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو کاروبار چھوڑ کر اللہ کے ذکر کے لیے کوشش کر کے آؤ۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کو علم ہے۔"

یہ حکم ہر مومن کے لیے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت، بیمار، مسافر، زر خرید غلام، معذور اور بچوں کو جمعہ سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد وسنن دار قطنی)

ان پر جمعہ فرض نہیں لیکن اگر وقت میں ظہر کی بجائے جمعہ پڑھ لیں تو ظہر ساقط ہو جائے گی۔ جمعہ ادا ہو جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آدمی متواتر تین جمعے سستی سے ضائع کر دے اس کا نام منافقوں میں لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

ابن عباس رضؓ کی حدیث میں ہے کہ جو کسی عذر کے بغیر جمعہ ضائع کر دے اس کے نامۂ اعمال میں اسے منافق درج کیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

سنن ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا فِيْ يَوْمِيْ هٰذَا فِيْ شَهْرِيْ هٰذَا فِيْ عَامِيْ هٰذَا اھ

"جان لو اللہ نے فرض کیا تم پر جمعہ اس مقام، اس دن، اس ماہ اس سال میں"

جمعہ ہجرت کے ایام میں فرض ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کچھ دن پہلے سعد رضؓ بن زرارہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے پہلا جمعہ بنو سالم میں پڑھایا۔ (سنن ابی داؤد)

اس وقت کی آبادی کی حیثیت شہری آبادی کی نہ تھی۔ مختلف قبائل تھے جو اپنے باغوں اور زمینوں پر آباد تھے۔ آنحضرت ﷺ قبا سے نکل کر ان قبائلی آبادیوں سے ہوتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ اس جگہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے علاوہ قبیلہ بنو نجار کی آبادی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نجار سے مسجد کے لیے زمین خرید فرمائی اور یہ آبادی آہستہ آہستہ بڑھتی گئی۔ چنانچہ سن پانچ یا چھ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق کے بعد بھی حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں۔

امرنا امر العرب الاول فی البریۃ قبل الغائط وکنا نتاذی بالکنف ان نتخذھا عند بیوتنا (صحیح بخاری ص۵۹۵ ج۲)

"قضائے حاجت کے متعلق ہماری عادت عرب قدماء کی طرح تھی۔ ہم جنگل میں جاتے تھے۔ گھروں میں بیت الخلاء سے ہم ایذا محسوس کرتے تھے۔"

غرض غزوہ بنی المصطلق تک مدینہ گاؤں ہی تھا، لوگوں کی عادات دیہات سے ملتی تھیں۔

مدینہ منوّرہ کی آبادی کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے لیے منبر بنانے کا فیصلہ فرمایا۔ حافظ ابن حجرؒ ایک روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ نَجَّارٌ وَاحِدٌ يُقَالُ لَهُ مَيْمُوْنُ (فتح الباری ص۲۹۴ ج۱)

"مدینہ منورہ میں اس وقت ایک بڑھئی تھا جس کا نام میمون تھا۔"

یعنی اس آبادی کی ضروریات ایک ہی بڑھئی سے پوری ہو جاتی تھیں۔ ظاہر ہے اس کی آبادی دیہات ہی کی سی تھی۔ اگر اسے بحث کے لیے شہر کہنے پر اصرار کیا جائے تو ہمارے ملک میں معمولی قسم کے گاؤں بھی شہر کہے جا سکتے ہیں۔ اس لیے جمعہ کی شرائط میں گاؤں یا شہر کا تذکرہ بے فائدہ ہے جہاں مناسب اجتماع ہو سکے۔ کام کا خطیب مل سکے، جمعہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ گاؤں یا شہر کی بجائے خطیب کی صلاحیت پر بحث ہوتی تو معقول بات سمجھی جاتی۔ مدینہ منوّرہ میں جمعہ کے بعد پہلا جمعہ مقام جواثا میں پڑھا گیا۔ یہ

بحرین میں ایک بستی ہے۔ (ابوداؤد، بخاری)

نمازِ جمعہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد ظہر کے وقت جمعہ ادا فرماتے۔ (مشکوٰۃ)

جمعہ کے لیے مسجد میں آتے۔ دو رکعت ادا فرماتے۔ اگر کوئی خطبہ کے وقت آتا تو اسے خطبہ ہی میں دو رکعت ادا کرنے کے لیے حکم فرماتے۔ (صحیحین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے کہ جمعہ کے لیے سویرے پہنچا جائے۔ پہلے آنے والوں کو اونٹ، گائے، بکرے، مرغ، انڈے کے صدقہ کا ثواب علی الترتیب حدیث میں مرقوم ہے۔ جس قدر پہلے آئے بڑے جانور کی قربانی کا ثواب ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

پہلے مختصر خطبہ ارشاد فرماتے۔ (منتقی بحوالہ سنن نسائی وغیرہ)

پھر دو رکعت نماز پڑھاتے۔ (مشکوٰۃ)

قرأۃ آواز سے کرتے، سورۂ فاتحہ کے بعد کبھی سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے۔ کبھی سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھتے۔ (ترمذی، نسائی)

جمعہ کے بعد مسجد میں چار رکعت ادا فرماتے اور گھر میں دو رکعت پڑھتے (صحیح مسلم)

بعض مسائلِ جمعہ

اگر ہو سکے تو جمعہ کے لیے ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے۔ جمعہ کے لیے جلد پہنچنے کی کوشش کرے۔ اثناء خطبہ میں باتیں کرے نہ اشارہ کرے۔ نہ ہی خطبہ میں شور اور لغو باتیں کرے۔ نہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے گذرنے کی کوشش کرے۔ اگر امام کے قریب بیٹھنا پسند ہو تو سویرے آنا چاہیئے۔ ورنہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے کسی کو ایذا نہ دے۔ خطبہ پوری توجہ سے سنے۔ (بخاری، مسلم، کتب سنن)

جمعہ کے دن غسل کرنا ضروری ہے۔ (بخاری)

جمعہ کے دن ۔ صبح کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دہر پڑھنا مسنون ہے۔
(صحیح مسلم و مسند احمد)

اگر دیہات میں جمعہ نہ ہو تو جہاں رات واپس گھر پہنچ سکے وہاں سے جمعہ کے لیے آنا چاہیئے۔ امام خطبہ کھڑے ہو کر پڑھے۔ معذور آدمی بیٹھ کر پڑھے تو ہرج نہیں۔ خطبہ سے پہلے اذان کہے۔ امام خطبہ میں لوگوں کی طرف منہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

جمعہ سے فراغت کے بعد کاروبار کے سلسلہ میں جا سکتا ہے۔ عورتوں کو جمعہ میں آنے سے روکنا نہیں چاہیئے (مشکوٰۃ)

امام بوقت ضرورت خطبہ میں بات کر سکتا ہے۔ عورتیں جمعہ ادا کر لیں تو انہیں اس دن ظہر نہیں پڑھنی چاہیئے۔

احتیاطی نماز بدعت ہے

بعض فقہاء نے جمعہ کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔ جہاں یہ شرائط نہ پائی جائیں وہ احتیاط کے طور پر جمعہ کے ساتھ ظہر بھی پڑھتے ہیں۔ یہ بدعت اور گناہ ہے جمعہ ہی ادا کرنا چاہیئے۔

مسائل عید فطر اور عید اضحیٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب، فارسیوں کی عید کے دن نیروز وغیرہ کو خوشی کے دن سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم قوموں کی نقالی پسند نہ تھی۔ اس لیے کہ غیروں کی نقالی احساس کمتری اور ذہنی غلامی کی دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمُ الْاَضْحٰى وَيَوْمُ الْفِطْرِ (ابو داؤد)

(اللہ تعالٰے نے تم کو ان دنوں کی بجائے عید فطر اور عید اضحیٰ کے دو دن بدل

دیئے ہیں:

غیر مسلموں کی عیدوں میں کھیل کود، گانے، بجانے اور بدکرداریوں کے سوا کیا ہوتا ہے جیسے ہم ہندو تہواروں میں دیکھتے ہیں۔ ان میں انسان غیر شعوری طور پر حیوانات سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ معلوم ہے کہ ان حرکات سے اسلام کا مزاج ہی ناآشنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کو اسلامی مزاج کے مطابق بنایا۔ حلال چیزیں کھانے کی کھلی اجازت دی۔ عید اضحیٰ میں کئی دن تک قربانی کی اجازت دی پھر ترغیب دی کہ گوشت ایسی فطری غذا غریب سے غریب گھروں تک پہنچے اور جتنی دیر تک لوگ کھانا چاہتے ہیں کھائیں اور کھیل کود اور خرمستیوں کی بجائے اللہ تعالےٰ کا ذکر کریں، نماز ادا کریں، میدان میں پہنچ کر اجتماعی طور پر اللہ کا ذکر کریں۔ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی نمازِ عید کے لیے نکلیں۔ دھوپ کی تمازت سے فارغ ہو جائیں۔ عید کا آخری وقت زوال سے پہلے پہلے ہے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے صحیح وقت میسّر نہ آسکے تو دوسرے دن چاشت کے وقت ادا کرے اور عید کے دن ستھرا یا نیا لباس پہنے۔

عورتوں کا نمازِ عید میں جانا ضروری ہے اگر وہ حیض یا نفاس سے ہوں تو عیدگاہ میں ضرور جائیں لیکن نماز میں شریک نہ ہوں۔ تسبیح وتہلیل ودعا کے اذکار میں شریک ہو جائیں صحیح بخاری میں ہے۔

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ
وَفِيْ حَدِيْثِ حَفْصَةَ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى (مع الفتح ص۵۲۷ ج۱)

"ہمیں حکم فرمایا کہ جوان پردہ نشین لڑکیاں عید کی نماز کے لیے جائیں اور حائضہ عورتیں نماز میں شریک نہ ہوں"

نمازِ عید سے پہلے اور بعد کوئی مسنون نماز نہیں نہ اس وقت نوافل پڑھے جائیں۔ (مشکوٰۃ)

عید کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات کہنا چاہیئے۔ تکبیریں یہ ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ (دارقطنی)

(۱) اگر ہو سکے تو آنے جانے کا راستہ بدل دینا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

عید کی نماز کے لیے نہ اذان کہی جائے نہ اقامت۔ (بخاری، مسلم)

نمازِ عید کا طریقہ

عید کی نماز دو رکعت ہے اس کے لیے دو طریق مروی ہیں۔ پہلا طریق تکبیرِ افتتاح اور تکبیرِ رکوع کے علاوہ بارہ تکبیریں کہی جائیں۔ سات پہلی رکعت میں قرارت سے پہلے اور پانچ دوسری رکعت میں قرارت سے پہلے۔ یہ تکبیرات امام پے بر پے کہتا جائے تکبیرات میں کوئی مسنون ذکر نہیں۔ پہلی تکبیر یا آخری تکبیر کے بعد دعائے استفتاح پڑھے پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اسی طرح دوسری رکعت میں مسلسل پانچ تکبیرات کہے اور سورۂ فاتحہ پڑھے اور سورۂ قٓ، سورۂ قیامہ، سورۂ اعلیٰ، سورۂ غاشیہ، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون سے کوئی دو سورتیں دونوں رکعات میں پڑھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَبَّرَ فِی الْعِیْدَیْنِ فِی الْاُوْلٰی سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَۃِ وَفِی الْاٰخِرَۃِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَۃِ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھُوَ اَحْسَنُ شَیْءٍ رُوِیَ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (جامع ترمذی)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں پہلی رکعت میں قرارت سے پہلے سات تکبیریں کہیں پھر دوسری رکعت میں قرارت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث نمازِ عید کے متعلق سب سے زیادہ صحیح ہے"

یہی مذہب عام ائمہ اسلام مالکؒ، شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہم کا ہے۔"

دوسرا طریق حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع سمیت پانچ تکبیرات کہے، پھر قرارت کے بعد رکوع کرکے دوسری رکعت میں پہلے قرارت کرے پھر تکبیر رکوع سمیت چار تکبیرات کہے۔ (سنن ابی داؤد)

یہ طریق بعض دوسرے صحابہ رضہ سے بھی مروی ہے مگر کوئی مرفوع حدیث قابلِ اعتماد اس مسئلہ میں نہیں البتہ پہلا طریق بلحاظ سند اس سے بہتر ہے اور جمہور ائمہ کا بھی یہی مسلک ہے اس لیے فضیلت اسی میں ہے کہ بارہ تکبیرات سے نماز عید پڑھی جائے۔ قرارت بلند آواز سے کی جائے۔ عید اضحیٰ بہت سویرے پڑھنی چاہیئے۔ فطر میں کچھ دیر ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ (مشکوٰۃ)

نماز استسقاء

جب بارش نہ ہو، قحط کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو بارش کے لیے دعا کرنا اور کثرت سے استغفار کرنا مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام معمول کے مطابق بارش کے لیے دعا فرماتے کبھی جمعہ کے خطبہ میں دعا فرماتے کبھی باہر کھلے میدان میں باجماعت نماز ادا فرماتے خطبہ دیتے اور دعا کرتے۔ (زادالمعاد)

حضرت امام ابو حنیفہ رہ باجماعت نماز اور خطبہ کے قائل نہیں[1]۔ صاحبین رہ اور بعد کے فقہاء نے جب احادیث میں صراحتہً نماز استسقاء کا ذکر دیکھا تو اس کے قائل ہو گئے اہلِ حق کا یہی طریق ہے۔

طریقہ

حدیث میں اس کے دو طریق منقول ہیں۔

پہلا نماز عید کی طرح بارہ تکبیرات سے دو رکعت نماز ادا کی جائے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اعلیٰ پڑھے، دوسری میں فاتحہ کے بعد سورۂ غاشیہ یا کوئی اور سورہ ملا لے تو بھی نماز درست ہے۔

دوسرا طریق عام نماز کی طرح دو رکعت پڑھے اور قرارت جمعہ کی طرح آواز سے پڑھے اس کے بعد مندرجہ ذیل خطبہ اور دعائیں پڑھے۔ بعض احادیث میں نماز سے پہلے بھی

---

[1] ہدایہ اوّلین ص ۱۴۴ جلد ۱

خطبہ کا ذکر کیا ہے۔

خطبہ

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك
يوم الدين. لا إله إلا الله يفعل ما يريد. اللهم
أنت الله لا إله إلا أنت أنت الغني ونحن الفقراء أنزل
علينا الغيث واجعل ما أنزلت علينا قوة وبلاغا إلى
حين (ابوداؤد) اللهم اسقنا غيثا مريئا طبقا عاجلا
غير رائث نافعا غير ضار. اللهم اسقنا غيثا مغيثا مريئا
طبقا مريعا غدقا عاجلا غير رائث. اللهم اسق عبادك
وبهائمك وانشر رحمتك وأحي بلدك الميت. اللهم
جللنا سحابا كثيفا قصيفا دلوقا ضحوكا تمطرنا منه رذاذا
قطقطا سجلا يا ذا الجلال والإكرام (ابن ماجہ)

"تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے جو رحم کرنے والا بہت مہربان ہے۔
جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ جو چاہے کرتا ہے
اے اللہ تو معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو غنی ہے ہم سب فقیر ہیں
ہم پر بارش فرما اور جو تو نازل فرمائے اسے ہمارے لیے قوت اور کامیابی
کا موجب بنا۔ اے اللہ ہم پر خوشگوار بارش فرما جس سے کھیتیاں اگیں (زمین
سیر ہو جائے۔ جلد ہو دیر سے نہ ہو۔ مفید ہو نقصان نہ دے۔ اے اللہ ہم پر
ایسی بارش فرما جو ہماری دستگیری کرے، خوشگوار ہو جس سے زمین سیر ہو۔ بہت پانی
والا جلد آئے دیر نہ ہو۔ اے اللہ اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی پلا اپنی رحمت کو
عام فرما۔ مردہ شہروں کو زندہ کر دے۔ اے اللہ ہم پر گھٹا ٹوپ بادل بھیج جو تر بہ
تر، گرجتا ہوا پانی برساتا چمکتا ہوا ہم پر دھیرے دھیرے مسلسل کثرت سے برسے
اے اللہ بزرگی اور کرامت تیرے لیے ہے"

نمازِ استسقاء میں قراءت آواز سے کی جائے۔ (بخاری)

لباس بے حد سادہ ہو عجز و نیاز سے چلے۔ (بخاری)

نماز کے بعد مسنون خطبہ پڑھے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کے بعد مذکورہ مسنون دعائیں پڑھے۔ اپنی زبان میں بھی دعا کرنا درست ہے۔ خطبہ نمازیوں کی طرف رُخ کر کے دیا جائے دعا کے وقت قبلہ رُخ ہو جائے اور عجز و انکسار سے دعا کرے۔

دعا کے وقت ہاتھ معمول سے زیادہ اونچے رکھے اور دعا اُلٹے ہاتھوں سے مانگے یعنی ہاتھوں کی پیٹھ منہ کی طرف اور ہتھیلیاں زمین کی طرف رکھے۔

آخر میں چادر اس طرح بدلے کہ بائیں طرف دائیں آ جائے اور نچلی طرف اُوپر ہو جائے یہ حالات کی تبدیلی کے لیے ایک اشارہ ہے۔ مقتدی بھی اگر کپڑے اسی طرح بدل لیں تو مناسب ہے اس کے بعد خاموشی اور عاجزی سے واپس آ جائیں۔ راستہ میں ہنسی مذاق اور شوخی نہ کی جائے۔ بعض احادیث میں خطبے کا ذکر نماز سے پہلے بھی آیا ہے۔ (نسائی)

دونوں امر جائز ہیں۔ استسقاء میں منبر کا استعمال بھی درست ہے۔

کئی دن تک بھی یہ نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے نااُمید نہیں ہونا چاہیئے۔ جب تک بارش نہ ہو استغفار، توبہ اور ذکر الٰہی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ بعض دفعہ استسقاء میں استغفار پر ہی اکتفا فرماتے (زاد المعاد اور نیل الاوطار وغیرہ)

احکام و مسائلِ جنازہ

تجہیز و تکفین

جب میت پر موت کے آثار ظاہر ہوں تو اس کے پاس کلمہ توحید پڑھنا چاہیئے (مشکوٰۃ) تاکہ اس کی توجہ اس طرف ہو جائے تاہم زیادہ زور نہ دیا جائے۔ ممکن ہے بے ہوشی میں کوئی نامناسب بات منہ سے نکل جائے۔ (ترمذی)

موت کے وقت زور سے باتیں کرنا، پیٹنا، بال نوچنا ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ (سنن نسائی)

"جو چہرہ نوچے، کپڑے پھاڑے اور زمانہ جاہلیت کی طرح بین کرے وہ ہم سے نہیں۔"

مسنون کفن

مرد کے کفن میں پگڑی، قمیص وغیرہ کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے بلکہ صرف تین چادریں استعمال کی جائیں۔ دو چھوٹی اور ایک بڑی جو اوپر ہونی چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے۔

کُفِّنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ثَلَاثَۃِ اَثْوَابٍ بِیْضٍ سَحُوْلِیَّۃٍ مِنْ کُرْسُفٍ (مشکوٰۃ)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سوتی چادروں میں کفن دیا گیا۔"

عورت کے کفن میں چادروں کے علاوہ قمیص، کمر بند وغیرہ کا اضافہ کیا جائے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو جو میسر آئے اس میں دفن کرایا جائے۔ (ابوداؤد)

غسلِ میت

غسل سے پہلے وضو کی ترتیب سے اعضائے وضو کو دھویا جائے۔ پیٹ کو آہستہ سے ملنا چاہیئے تاکہ پیشاب وغیرہ کے جو قطرات نکل سکیں نکل جائیں۔ پھر وضو کے بعد پورے جسم پر پانی ڈالیں۔ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر پانی گرم کر لیں۔ آخری دفعہ کافور یا کسی خوشبو کا استعمال کریں۔ اس کے بعد کفن دے دیا جائے۔ (مشکوٰۃ وغیرہ کتب احادیث)

نمازِ جنازہ

جنازہ کی نماز میں چار تکبیریں کہنی چاہئیں۔ عبداللہ بن عمرؓ جنازہ کی تکبیرات میں

رفع الیدین کرتے تھے۔ (بخاری ص ۱۷۶ جلد ۱)

پہلی تکبیر کے بعد ثنا، سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت اس کے ساتھ ملائی جائے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ تیسری تکبیر کے بعد دعائیں پڑھیں (جو آگے درج ہو رہی ہیں) اس کے بعد دونوں طرف سلام کہہ کر جنازہ ختم کر دیں۔ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔ صحیح بخاری ص ۱۷۸ جلد ۱ میں ہے۔

۱- عن ابن عباس اَنَّہٗ قَرَءَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّھَا سُنَّۃٌ۔

"ابن عباس رضؓ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔"

سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹ میں ہے۔

۲- عن ام شریک اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقْرَءَ عَلَی الْجَنَازَۃِ بِفَاتِحَۃِ الْکِتٰبِ۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔"

اس کے علاوہ بھی صحیح احادیث میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ عام لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم اس سنت پر عمل کریں۔ کرایہ دار مولوی صاحبان جنازہ جلدی ختم کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ جلدی فارغ ہوں اس لیے وہ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ مسنون دعائیں پڑھتے ہیں۔ حالانکہ میت کا زندہ پر یہ آخری حق ہے۔ دفن کے بعد قبر پر دعا کر کے لوٹنا زیادہ ثواب کا کام ہے۔

سوگ اور بدعات ماتم

دفن کے بعد میت پر تین دن تک سوگ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عورت خاوند کی موت پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ کرے۔ (صحیحین)

سوگ کا مطلب یہ ہے کہ سوگ کے دنوں میں سرمہ، مہندی وغیرہ زیب و زینت کی چیزوں کا استعمال نہ کرے۔ ہمارے ملک میں عادت ہوگئی ہے ہر آنے والا گھر والوں کو کہتا ہے فاتحہ پڑھو یا دعا کرو۔ لوگ ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیر لیتے ہیں اور یہ سلسلہ تین دن

تک جاری رہتا ہے۔ حالانکہ یہ طریق دعا سنّت میں ثابت نہیں، محض رسم ہے۔ دعا جب چاہے کرے میت کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ مالی صدقہ بھی مفید ہوتا ہے۔ تیجا، دسواں، چالیسواں یہ سب بدعی رسوم ہیں۔ ان سے میت کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسا کرنے والے بدعتی اور مجرم ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بدعت سے بچنے کی توفیق دے۔

جنازہ کی دعائیں

تیسری تکبیر کے بعد ذیل کی دعائیں یا اس کے علاوہ مسنون ادعیہ پڑھیں۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ (مسلم)

"اے اللہ اسے بخش دے، اس پر رحم فرما، اسے آرام دے اور معاف فرما، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کو کھلی جگہ عنایت فرما اور اسے پانی، برف اور اولوں سے غسل دے، اسے گناہوں سے اس طرح صاف فرما جس طرح سفید کپڑا گندگی سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس کو بہتر گھر بدل دے اور پہلے اہل سے بہتر اہل عطا کر اور اس کی رفیقہ سے بہتر رفیقہ عطا کر۔ اسے جنت میں داخل فرما۔ عذاب قبر اور آگ کے عذاب سے پناہ دے۔"

۲۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ (مسلم۔ ابن ماجۃ)

"اے اللہ ہمارے زندوں، مردوں، حاضر اور غائب، چھوٹے اور بڑے، مرد اور

عورت کو بخش دے۔ اے اللہ جس کو تو زندگی دے۔ اسے تو اسلام پر زندہ رکھ جسے تو موت دے اسے ایمان پر موت دے۔ اے اللہ تو ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ فرما اس کے بعد کسی آزمائش میں نہ ڈال۔"

۳۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ عَبْدُکَ وَابْنُ اَمَتِکَ کَانَ یَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَیَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اَصْبَحَ فَقِیْرًا اِلٰی رَحْمَتِکَ وَاَصْبَحْتَ غَنِیًّا عَنْ عَذَابِہٖ تَخَلّٰی مِنَ الدُّنْیَا وَاَھْلِھَا اِنْ کَانَ زَاکِیًا فَزَکِّہٖ وَاِنْ کَانَ مُخْطِئًا فَاغْفِرْلَہٗ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَہٗ (حصن حصین)

"اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے اور تیری خادمہ کا لڑکا ہے۔ یہ شہادت دیتا تھا کہ تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ یہ شہادت دیتا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول تھے۔ یہ تیری رحمت کا محتاج ہے اور تو اس کے عذاب سے بے نیاز۔ یہ دنیا اور اپنے خاندان سے الگ ہو رہا ہے۔ اگر یہ پاک ہے تو اسے اس کی جزا دے۔ اگر یہ خطا کار ہے تو اسے معاف فرما۔ اے اللہ ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے بعد ہمیں گمراہی میں نہ ڈال۔"

۴۔ بچے پر جنازہ پڑھے تو یہ دعا ضرور پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا (حصن حصین)

"اے اللہ اس کی سفارش ہمارے حق میں قبول فرما۔ اے اللہ اسے ہمارے اجر کا سبب اور ذخیرہ بنا۔"

میت کے متعلق بعض مسائل

میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھا جائے۔ رشتہ داروں کا انتظار شرعاً ضروری نہیں۔ غائبانہ جنازہ درست ہے۔ــــــــ قبر پر بھی جنازہ درست ہے اگر جنازہ

میں شریک نہ ہو سکے) جنازہ اٹھا کر آرام سے چلے۔ میت لے جاتے وقت کوئی ذکر مسنون نہیں، خاموشی سے چلیں۔ مسجد میں نماز جنازہ درست ہے۔ (ابن ماجہ)

میت کے ساتھ قبرستان میں آگ نہیں لے جانی چاہیئے (رات کے وقت چراغ وغیرہ لے جانا درست ہے) موت کے بعد میت کی خوبیاں ذکر کی جائیں۔ جنازہ پر پانچ اور چھ تکبیریں بھی درست ہیں۔ ان میں میت کے لیے دعا کی جائے۔ مرد کے جنازے میں امام سر کے قریب کھڑا ہو اور عورت کی کمر کے برابر۔ قبروں پر بیٹھنا منع ہے۔ خاوند اور بیوی مرنے کے بعد ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ میت کو سر کی طرف سے یا دائیں جانب سے قبر میں داخل کرنا چاہیئے۔ میت کی آنکھیں خود بند کر دینی چاہئیں۔ شق اور لحد دونوں درست ہیں۔ اگر زمین سخت ہو تو لحد بہتر ہے۔ قبر پر قبہ بنانا، قبر پختہ کرنا، اس پر چراغ جلانا، قبر پر سجدہ کرنا یہ سب فعل حرام ہیں۔ میت کا منہ دیکھنا درست ہے۔ شہید پر میدانِ جنگ میں جنازہ ضروری نہیں۔ قبروں پر چونہ وغیرہ لگانا اور کچھ لکھنا ممنوع ہے۔ قبروں کی زیارت مسنون ہے۔ قبر گہری اور کھلی کھودی جائے اور بالشت سے زیادہ اونچی نہ کریں۔ میت دفن کرتے وقت یہ دعا پڑھیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قبر میں کچی اینٹیں استعمال کریں۔ حاضرین تین تین مٹھیاں مٹی ڈالیں۔ سورج کے طلوع، غروب اور زوال کے وقت جنازہ نہ پڑھیں۔ میت عورت ہو تو اس کے بال کھول دیئے جائیں۔ کچھ پیچھے ڈال دیں کچھ آگے دونوں طرف۔ غسل میں پانی طاق دفعہ ڈالا جائے۔ متعدد جنازے ایک ہی دفعہ پڑھنا درست ہے۔ حضرت عمرؓ کی اہلیہ ام کلثومؓ اور ان کے بیٹے زیدؓ کا جنازہ اکٹھا پڑھا گیا۔

قبر پر عمارت بنانا

میت کو کسی مکان میں دفن کرنا درست ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے کمرے میں دفن کیا گیا۔ اسی کمرہ میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر رضی اللہ عنہما دفن ہوئے۔ لیکن قبر پر کوئی قبہ یا عمارت کھڑی کرنا درست نہیں۔

۱۔ عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یبنی علی القبر (ابن ماجہ ص۱۱۳)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔"

۲۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ (مسلم)

"جابر رضؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کچ کرنے، اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔"

۳۔ عَنْ اَبِي الْهَيَّاجِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعْ قَبْرًا مُّشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ وَلَا صُوْرَةً فِيْ بَيْتٍ اِلَّا طَمَسْتَهَا

(صحیح مسلم۔ سنن نسائی)

"حضرت علی رضؓ نے حضرت ابو الہیاج رہ کو فرمایا میں تمہیں اس کام پر بھیجتا ہوں جس پر مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا۔ تمام اونچی قبروں کو ہموار کر دو اور تصویروں کو مٹا دو۔"

فائدہ:

اس حدیث سے اونچی قبروں کو ہموار کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اور تصویروں کو مٹانے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ شرک کی تمام "بارگاہوں" اور "درباروں" کو پیوند خاک کر دے۔ ہر آدمی کو قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیئے امام شافعی رہ فرماتے ہیں۔ مدت تک مسلمان بادشاہ اس فرض کو بجا لاتے رہے اور شرک اور غیر اللہ کی پرستش کے مقامات کو پیوند خاک کرتے رہے۔ (کتاب الام)

نماز جنازہ کے بعد عوام پھر اسی جگہ دعا مانگتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ اسلام سے یہ دعا ثابت نہیں۔ بلکہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا کر کے واپس آجانا چاہیئے۔ بعض لوگ قبر پر اذان

پھر راستہ میں اذان، پھر واپس پہنچ کر اذان کہتے ہیں۔ یہ سب بدعات ہیں۔ اُس وقت اذان کا کوئی مقام نہیں۔ وقت کی تعیین کے بغیر جب چاہے میت کے لیے دعا کر سکتا ہے۔ دعا اور مالی صدقات میت کے لیے مفید ہیں۔ حسب استطاعت کوئی وقت مقرر کیے بغیر یہ اعمال مفید اور مسنون ہیں۔ صدقہ جاریہ جیسے مدرسہ، مسجد، کنواں بنوانا، دینی کتابیں شائع کرنا ان کا اجر میت کو موت کے بعد ملتا رہتا ہے۔ نیک اولاد صدقہ جاریہ کی طرح ہے۔ ماں باپ کے لیے ان کی دعا ہمیشہ مفید ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ وغیرہ)



تمت بالخیر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز

مطبوعہ

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل السلفی

توزیع
رئاسة إدارات البحوث العلمية
والإفتاء والدعوة والإرشاد
مكتب الدعوة بالباكستان
وقف لله تعالىٰ

اسلامک پبلشنگ ہاؤس
لاہور ○ پاکستان